وطن کی مٹی

نازیہ کنول نازی

وطن کی مٹی

نازیہ کنول نازی

شام ڈھل رہی تھی اور وہ ساری دنیا سے بے نیاز گم صم سی بالکونی پر جھکی کسی گہری سوچ میں گم تھی۔ جب جبار جعفری نے چپکے سے قریب آ کر اس کے ریشمی بالوں کی چٹیا زور سے کھینچ دی۔ ”السّلام علیکم!“ وہ چونکی تھی اور گردن موڑ کر اسے دیکھا تھا۔

”تم... یہاں...!“

”جی ہاں الحمد للہ...! سلام کا جواب تو دے دو بد تمیز لڑکی!“

”وعلیکم السّلام، تمہیں تو اس وقت اسلام آباد میں ہونا چاہیے تھا، یہاں کیا کر رہے ہو؟“

’’اپنی جل پری کا دیدار۔‘‘ مسکرا کر اسے چھیڑا تھا۔ جواب میں اس نے زور کا مکا اس کے مضبوط شانے پر رسید کیا۔

’’کتنی بار کہا ہے مجھے جل پری نہ کہا کرو۔‘‘

’’پھر اور کیا کہا کروں؟ ہر وقت تو آنسوئوں میں ڈوبی رہتی ہو' دنیا جہاں کے غم تمہیں لاحق ہیں۔ ابھی بھی پتا نہیں کسے سوچ رہی تھیں۔‘‘

’’کسی کو بھی نہیں' میں نے کسے سوچنا ہے۔‘‘ وہ مغموم تھی۔ جبار جعفری اس کے جھکے سر کو دیکھتا بے چین ہو گیا۔

’’کیا ہو گیا ہے تمہیں آج کل۔ نہ ہنستی ہو نہ بولتی ہو۔ سیدھے منہ بات بھی نہیں کرتیں۔ کیا دل بھر گیا ہے مجھ سے؟‘‘ وہ دل برداشتہ ہو رہا تھا۔ سارہ سر اٹھا کر ایک نظر اسے دیکھا اور مسکرا دی۔

’’تم ڈبل روٹی ہو' مٹھائی ہو یا زردے کی دیگ کہ جس سے دل بھر جائے؟ پاگل...!‘‘ وہ مسکراتی ہوئی اس کی جان نکالتی تھی۔ جبار جعفری چپ چاپ اسے دیکھے گیا۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

’’مجھے خود سمجھ میں نہیں آ رہا ہے کہ مجھے کیا ہو گیا ہے۔ ٹی وی میں دل لگتا ہے نہ فلم میں' نہ میوزک میں لگتا ہے نہ دوستوں کے ساتھ ملے گلے میں... تم تو جانتے ہو جبار جعفری! سب میرے بے تکان بولنے کی عادت سے کتنے تنگ تھے۔ اب تو بولنے کو بھی دل نہیں چاہتا۔ عجیب سی سنجیدگی نے دل و دماغ کو جیسے جکڑ لیا ہے۔‘‘

’’سوچنے زیادہ لگی ہو نا! اقبال کی جاں شین بن گئی ہو۔ ایسا تو ہو گا ہی پھر...!‘‘

’’شاید تم صحیح کہہ رہے ہو۔ اب دیکھو نا! برابر والے گھر کی باجی منیرہ' کتنی اچھی ہیں۔ تین چھوٹے چھوٹے بچے ہیں ان کے' مگر کسی نے ان پر کالا جادو کروا دیا ہے۔ بستر سے لگ کر رہ گئی ہیں۔ آنکھ کھول کر اپنے بچوں کو دیکھنے کے قابل بھی نہیں رہیں۔ کیوں کرتے ہیں لوگ ایسا' کیوں مرنے سے ڈر نہیں لگتا انہیں' اگر آپا کو کچھ ہو گیا تو ان کے معصوم بچوں کا کیا بنے گا...؟‘‘

وہ ضرورت سے زیادہ پریشان تھی۔ جبار جعفری گہری سانس بھر کر رہ گیا۔

’’تم پاگل ہو سارہ اور کچھ نہیں۔ اتنی حساسیت اچھی نہیں ہوتی۔ بہت خوب صورت رنگ بھی ہیں زندگی کے۔‘‘

"تمہارے لیے ہوں گے میرے لیے نہیں ہیں۔"

"دنیا سے کٹ کر کوئی خوش نہیں رہ سکتا۔ انسان وہی ہے جو دین اور دنیا ساتھ لے کر چلے۔ دیکھو، میں مانتا ہوں تم بہت اچھی ہو۔ تمہارا چھوٹا سا دل بہت حساس ہے، مگر زندگی ایسے بسر نہیں ہوتی۔ یہ اتنی سی عمر میں ایسی فکریں...؟ یہ انفرادیت تمہارے لیے اچھی نہیں ہے۔ کشتی پانی میں اچھی لگتی ہے، پانی کشتی میں آجائے تو اچھا نہیں لگتا۔ سلامتی خطرے میں پڑ جاتی ہے۔ ذرا سوچو، کیا نہیں دیا تمہیں اللہ نے... پھر بھی خوش نہ رہ کر تم اس کی ناشکری ہی کرتی ہو نا!"

"مجھے خوش رہنا نہیں آتا جبار جعفری!" اچانک سر اٹھاتے ہوئے اس کا لہجہ بھرایا تھا جب وہ بولا۔

"کس کا نقصان کرو گی خوش نہ رہ کر؟ صرف اپنا، کوئی فرق نہیں پڑتا یہاں کسی کو تمہارے خوش یا غمگیں رہنے سے۔ گھٹ گھٹ کر مر جاؤ گی تب بھی کوئی تمہارے اندر جھانک کر نہیں دیکھے گا کہ کیوں مری ہو۔ یہاں ہم خود ہی اپنے غم گسار ہیں سارہ۔ خدا کا واسطہ ہے تمہیں، وقت کی تبدیلی کو قبول کرو۔ مان لو کہ یہاں ہم روئیں گے تو اپنے آنسو بھی خود ہی

WWW.PAKSOCIETY.COM

پونچھیں گے۔ اتنی بڑی ہو گئی ہو، ابھی تک زندگی جینا نہیں آیا تمہیں۔" اس بار خفا ہوتے ہوئے اس نے اس کے سر پر ہلکی سی چپت لگائی تھی۔

"خبردار! دوبارہ کسی ایسی سوچ سے خود کو پریشان مت کرنا جس کا حل تمہارے اختیار میں نہ ہو ورنہ بہت برا پیش آؤں گا۔ سمجھی! مضبوط دیکھنا چاہتا ہوں میں تمہیں۔ اتنا مضبوط کہ کوئی بھی غم تم سے ٹکرائے تو پاش پاش ہو جائے۔ ہمیشہ یاد رکھنا سارہ! جو دوسروں کے لیے جیتے ہیں وہ کبھی ٹوٹ کر بکھرنے نہیں دیتے خود کو۔ چلو شاباش! اب چائے پلاؤ نیچے چل کر۔ کل جا رہا ہوں میں سمندر پار۔ پھر دل بھر کر اداس ہوتی رہنا۔" وہ ہمیشہ اس کے مزاج کو یونہی بدل دیا کرتا تھا۔ شاید اس کے مزاج کے تمام موسموں سے آشنا تھا۔ وہ سر اٹھا کر اسے دیکھنے لگی۔

"اس بار کب واپس آؤ گے؟"

"بہت جلد...! بس تم جلدی سے ایم اے کر لو۔ داخلہ کروا دیا ہے میں نے تمہارا یونیورسٹی میں۔ میرے جانے کے بعد شرافت سے یونیورسٹی جوائن کر لینا اچھا۔"

"جو حکم۔" وہ پھر مسکرائی تھی اور اس بار جبار جعفری نے نگاہ ہٹالی۔ اگلے روز ٹھیک اسی وقت اس کی جدہ کے لیے پرواز تھی۔ جبار جعفری صبح ہی گھر سے روانہ ہو گیا تھا۔ سارہ کتنی دیر دہلیز پر کھڑی اسے رخصت ہوتے دیکھتی رہی۔

...☆☆☆...

جبار جعفری سے سارہ کا تعلق بہت پرانا تھا۔ وہ نہ صرف دور پرے کے رشتے دار تھے بلکہ بچپن کے دوست بھی تھے۔ جبار جعفری کے والد کی وفات کے بعد سارہ کے گھرانے نے ان لوگوں کی بہت مدد کی تھی۔ تین بہنوں کا اکلوتا بھائی ہونے کے باوجود وہ بہت اچھی عادتوں کا مالک تھا۔ تاہم سارہ کے ساتھ اس کی ہر وقت کی لڑائی رہتی تھی۔ بقول جبار اسے سارہ کو تنگ کیے بغیر قرار نہیں آتا تھا۔ سارہ کے بھائی حسن سے اس کی کچھ خاص نہیں بنتی تھی پھر بھی دونوں کے گھر والوں نے ان دونوں کی خوشی کے لیے میٹرک کے بعد ان کو منگنی کے بندھن میں باندھ دیا تھا۔ یہ سارہ کی محبت اور اسے پانے کا جنون ہی تھا کہ جبار جعفری نے میٹرک کے بعد پرائیویٹ تعلیم کے ساتھ ساتھ کام کاج بھی شروع کر دیا اور اپنے پیروں پر کھڑا ہونے کے بعد اپنی ماں کو گھر بٹھادیا۔ پرائیویٹ ایف اے کرنے کے بعد

اپنے ایک دوست کے والد کی مدد سے وہ سعودی عرب چلا گیا اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے اس کے گھر کے حالات پلٹا کھانے لگے۔ سات سمندر پار بیٹھ کر بھی اس کی روح اپنے وطن، اپنے گھر والوں اور ان کی محبت میں اٹکی رہتی تھی۔ سارہ کی دوست صدف اسے سارہ کے حوالے سے ہر وقت تنگ کیے رہتی، کبھی کہتی وہ بیمار ہو گئی ہے، کبھی کہتی اسے چوٹ لگ گئی ہے اور وہ، وہاں کام میں بے حال ہو کر بھی فوراً پاکستان واپسی کو بے چین ہو جاتا جس پر وہ خوب ہنستی اور اس کا مذاق اُڑاتی۔ اس بار بھی وہ چھٹی پر آیا تھا اور ضد کر رہا تھا کہ نکاح کر کے جائے گا، مگر سارہ نے اس کی ایک نہیں چلنے دی۔ اسے اپنی تعلیم، اپنا مستقبل ہر حال میں عزیز تھا۔ لہٰذا اس نے ایم اے کی شرط رکھ دی اور جبار جعفری کو ہمیشہ کی طرح اس کی خوشی اور ضد کے سامنے ہتھیار ڈالنے پڑے۔ وہ اسے کبھی نہیں سمجھا سکتا تھا کہ وہ اس کے لیے کیا تھی اور شاید سارہ کے لیے بھی اسے بتانا ممکن نہیں تھا کہ وہ اس کے لیے کیا تھا۔

...☆☆☆...

"یہ اسلامیہ یونیورسٹی ہے یہاں لوگ اعلیٰ تعلیم کے زیور سے آراستہ ہونے کے لیے جانے کہاں کہاں سے آتے ہیں۔ تم یہاں پڑھو گی ناں سارہ! تو روزانہ ہزار کہانیاں سننے اور دیکھنے کو

ملیں گی۔" وہ جبار جعفری کے جانے کے بعد افسردہ سی تقریباً ایک ہفتے بعد اپنی دوست صدف کے ساتھ یونیورسٹی آئی تھی۔ جب اس نے اسے بتایا۔ جوا باً وہ خاموش سی اپنے ڈیپارٹ کی سیڑھیوں پر بیٹھی، بہت اداس نگاہوں سے اِدھر اُدھر دیکھتی رہی۔

"ہوں پھر تو یہاں مطالعۂ پاکستان کے اساتذہ بھی بہت علم والے ہوں گے۔"

"صرف مطالعۂ پاکستان...؟ او یار یہاں ہر مضمون کے بہت بہترین استاد ہیں۔"

"چلو دیکھ لیتے ہیں۔"

وہ دونوں چونکہ اسی مضمون میں ایم اے کر رہی تھیں۔ لہٰذا پہلی کلاس میں تعارفی مرحلے کے بعد جب پڑھائی پر بات آئی تو وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ سر فیاض اس وقت مقابل کھڑے تھے۔

"سر میرا نام سارہ ہے، میں یہاں اعلیٰ ڈگری کے حصول سے زیادہ اعلیٰ تعلیم کا خزانہ پانے کے لیے آئی ہوں۔ کیا اس وقت کچھ سوال کر سکتی ہوں آپ سے؟"

"جی ضرور۔" سر فیاض چونکے تھے اور مکمل توجہ سے اس پر اعتماد دھان پان سی لڑکی کو دیکھنے لگے تھے۔

"سر! میرا پہلا سوال ہے پاکستان کیوں بنا؟" اس کے سوال پر جہاں باقی کلاس کے طلبہ کے لبوں پر مسکراہٹ آئی تھی وہیں سر فیاض بھی حیرانی سے اسے دیکھنے لگے تھے۔ یوں جیسے کہ اس کی دماغی حالت پر شبہ ہو۔

"مس سارہ! آپ مطالعۂ پاکستان میں ایم اے کر رہی ہیں اور آپ کو یہ نہیں پتا کہ پاکستان کیوں بنا؟"

"جی سر!" اسے ہم جماعتوں کی مسکراہٹ اور استاد کی حیرانی سے کوئی فرق نہیں پڑا تھا۔

"ٹھیک ہے پاکستان کسی دیوانے کا خواب نہیں تھا بلکہ ہمارا مقصد حیات تھا۔ اس وقت جو حالات تھے ان میں صاف دکھائی دے رہا تھا کہ انگریزوں کی برصغیر سے رخصتی کے بعد ہندو مسلمانوں کے ساتھ کیا سلوک کرنے والے تھے۔ ہمارے قائد محمد علی جناح بہت زیرک نگاہوں سے مستقبل کو دیکھ رہے تھے۔ اسی لیے انہوں نے مسلمانوں کے لیے علیحدہ

سرزمین کا مطالبہ کیا۔ تاکہ ہم اپنی زندگیاں اللہ اور اس کے رسولؐ کے بتائے ہوئے طریقوں کے مطابق، پوری آزادی سے بسر کر سکیں۔"

"پھر...! علیحدہ سرزمین تو مل گئی مگر ہماری زندگی کیا ہوئی؟"

سینے پر ہاتھ باندھے وہ مستعد کھڑی تھی۔ سر فیاض بے مقصد چشمہ درست کرنے لگے۔

"ہماری بدقسمتی ہے مس سارہ کہ ہم اپنی زندگیاں ان حکمرانوں سے نہ آزاد کروا سکے نہ اللہ اور اس کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے طریقوں کے مطابق ڈھال سکے۔"

"پھر تو ہمیں تاریخ سے معذرت کرنا چاہیے سر اور دوبارہ سے ایک ہو جانا چاہیے۔"

"آپ ایسا سوچ سکتی ہیں، دوسرا کوئی پاکستانی ایسی سوچ سے پہلے مر جانا پسند کرے گا۔"

"ہاں صحیح کہہ رہے ہیں آپ اتنا کچھ کھو دینے کے بعد واپسی کیا معنیٰ رکھتی ہے، مگر آپ نہیں جانتے سر! ہماری نوجوان نسل کے ذہنوں میں کیسا لاوا پک رہا ہے۔ ان کی سوچ کے دھارے کس رخ پر بہہ رہے ہیں۔ آپ صرف لیکچر دے سکتے ہیں۔ ذہن نہیں پڑھ سکتے۔ وہ ذہن

جن کے اندر بغاوت پنپ رہی ہے، آپ کے میرے محبوب قائد کے احسان مند ہونے کے بجائے ان پر نکتہ اعتراض اٹھاتے ہیں۔ انہیں اس بات سے کوئی مطلب نہیں کہ کشمیر، بہار اور ایودھیا میں کیا ہو رہا ہے؟ مگر انہیں اس بات سے مطلب ہے کہ ان کے حصے میں آئے زمین کے آزاد ٹکڑے میں ان کے ساتھ کیا ہو رہا ہے۔ ایمان کمزور اور ذہن انتشار کا شکار ہو جائے تو ہمیشہ کسی مخلص رہنما کی ضرورت پیش آتی ہے۔ ایک ایسے رہنما کی جو آپ کے ابلتے دماغوں کو اپنے پُراثر الفاظ سے پرسکون کر دے اور استاد سے بہتر رہنما کوئی نہیں ہو سکتا، مگر افسوس! صد افسوس سر کہ ہمارے وقت کے رہنمائوں نے بھی اپنے فرائض محدود کر لیے ہیں خود غرضی کی جنگ نے شاید ان کے ذہنوں میں برف جمادی ہے۔ وہ اب چالیس سے پچاس منٹ ڈائس پر کھڑے ہو کر صرف بول سکتے ہیں۔ طلبہ اور طالبات کی ناجائز فرمائشوں پر سر تسلیم خم کر سکتے ہیں مگر ان کے ذہنوں کو بنا نہیں سکتے، صحیح اور سیدھے راستے پر چلا نہیں سکتے۔" وہ بولنے پر آئی تو بولتی چلی گئی۔

"کیا فائدہ ایسی درس گاہوں کا جو آپ کو محض اعلیٰ تعلیم یافتہ ہونے کی ڈگری دے کر یہ سمجھ لیں کہ ان کا فرض پورا ہو گیا۔ کیا فائدہ ایسی تبلیغ کا سر! جو دل و دماغ پر اثر ہی نہ کر سکے؟"

''اچھی سوچ ہے آپ کی، میں آپ کے جذبات کی قدر کرتا ہوں، مگر میں معذرت خواہ ہوں مس سارہ۔ یہاں پورے معاشرے کا چہرہ مسخ ہو گیا ہے۔ لوگ اب ایسی جذباتی باتوں میں نہیں پڑتے۔ جتنے مسائل اس ملک کو درپیش ہیں ان میں پس کر لوگ اب ماضی میں جھانکنا پسند نہیں کرتے۔ ویسے بھی اس قدامت پرستی نے ہمیں کہیں کا نہیں چھوڑا۔ یہ آگے دیکھنے کا زمانہ ہے۔ آپ بھی آگے دیکھیے۔''

''ہاں، آگے دیکھتے دیکھتے بھلے ہم منہ کے بل گر جائیں۔'' وہ طنزیہ ہنسی، ہنسی تھی اور اسی پل پیریڈ کا وقت ختم ہو گیا تھا۔ سر فیاض اسے مطمئن نہیں کر سکے تھے۔ صدف نے کلاس چھوڑتے ہوئے اسے زور کی چٹکی کاٹی۔

''بڑی خراب ہو تم! دیکھ لینا یہ جو تیرے اندر ہزار سال پرانی روح ہے نا! یہ کہیں کا نہیں چھوڑے گی تجھے۔ وطن، وطن کرتی رہنا اور لوگ تجھے پاگل سمجھ کر چھوڑ جایا کریں گے۔'' وہ مستقبل کی پیش گوئی کر رہی تھی۔ سارہ سر جھٹک کر آگے بڑھ گئی۔

...☆☆☆...

''اف صدف، کیا بتاؤں تجھے یار، اس نیٹ میں کیسا مزہ ہے۔ مجھے تو علیحدہ کمرے کا پورا پورا فائدہ مل رہا ہے۔ دروازہ بند کر کے ساری رات جو دل چاہے کرو، کوئی دیکھنے، روکنے والا نہیں۔'' وہ انہماک سے کتاب کھولے پڑھ رہی تھی جب اپنی ایک ہم جماعت ماریہ کی چہکار پر بے ساختہ سر اٹھا کر اپنے دائیں طرف نگاہ ڈالی جہاں صدف بیٹھی خوش گپیوں میں مصروف تھی۔

''اچھا...! پھر کیا مصروفیات ہیں آج کل...؟'' اس نے صدف کو پوچھتے سنا تھا اور نگاہ پھر سے کتاب پر جما دی۔

''کیا بتاؤں یار! میں نے فیس بک پر اپنی آئی ڈی بنائی ہے اور دیگر بھی بڑی غضب کی سائٹس ہیں یار کہ کیا بتاؤں۔ ساری رات آنکھوں میں کٹ جاتی ہے اور پتا نہیں چلتا۔ اللہ بھلا کرے ان کا جنھوں نے ہمارے لطف کے لیے ہمیں یہ راہ گزر فراہم کی ورنہ پہلے تو زندگی کتنی بور اور بے کار تھی۔'' ماریہ کے جواب پر جانے کیوں اس کا خون کھول اٹھا۔ اس نے کتاب بند کی اور رخ ماریہ کی طرف پھیر لیا۔

’’اللہ ان لوگوں کا بھلا کرے جو تم جیسی عاقبت نااندیش لڑکیوں کو تباہی کی طرف دھکیل رہے ہیں۔ کیا تم نے نہیں پڑھا کہ تباہی کا ذریعہ بننے والی ہر چیز سے حساب ہوگا۔ ان لوگوں کا جو اس راہ سے گزر کر بربادی تک پہنچے اور ایمان سے ہاتھ دھو بیٹھے؟ تمہیں پتا ہے، ہم صرف اپنے اچھے برے کے ذمہ دار نہیں ہیں بلکہ ہر اس غلط فعل، سوچ، نیت اور حرکت کے لیے بھی اپنے خالقِ حقیقی کے سامنے جواب دہ ہیں۔ جو کسی کو غلط راہ کی طرف دھکیلے۔ یہ کسی بھی طرح سے بڑھتے روابط، اپنی سیاہ بختیوں اور اس ملک پر ٹوٹتی ہر آفت کا باعث ہیں۔ یہ گلی گلی میں کتے بلیوں کی طرح بدکاری پھیلاتے ہیں۔ یہ ایسے ہی غضب کی سائٹس کی پیداوار ہیں۔ آج تمہیں یہ تباہی زندگی کا حسن دکھائی دے رہی ہے، کل کو جب رہے سہے ایمان سے ہاتھ دھو بیٹھو گی تو لعنت بھیجو گی ان پر...!‘‘

’’اوہ جانے بھی دو، بندر کیا جانے ادرک کا مزہ۔‘‘

’’بندر کو ادرک کا مزہ جاننے کی ضرورت بھی نہیں ہے، مگر بحیثیت ایک مسلمان کے میرا فرض بنتا ہے کہ میں اگر اپنے سامنے برائی ہوتے دیکھوں تو اسے ہاتھ یا زبان سے روکوں۔ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر بنا ہے یہ ملک، اگر ہم ان کے بتائے

ہوئے اصولوں پر نہیں چل سکتے تو کم از کم ان راستوں کا انتخاب بھی نہ کریں جو اس خالق حقیقی سے دوری اور اس کے قہر کی طرف لے جائیں۔ بہت تھوڑا فاصلہ ہے زندگی اور موت کے بیچ، بہت ہی کم پھر اس سے پہلے کہ موت ہمیں ذلیل و رسوا کر کے اس قہار و جبار کے سامنے لے جائے کیوں نہ ہم خود ہی واپسی کی راہ دیکھ لیں۔‘‘

’’بہت اچھے بھئی مان گئے، تم آگے چل کر ضرور اچھی مقرر بنو گی۔‘‘ ماریہ نے اس کی تقریر کو ایک کان سے سن کر دوسرے کان سے اڑاتے ہوئے طنز سے تالیاں بجائی تھیں۔ سارہ دکھ سے اسے دیکھ کر رہ گئی۔ تبھی ماریہ پھر بولی۔

’’میری مانو ڈیئر سارہ تو کوئی درس گاہ جوائن کر لو تبلیغ کے لیے کم از کم ہم تو اس عمر میں تمہاری سنہری باتوں پر کان نہیں دھر سکتے۔ ویسے بھی یہ گناہ ثواب ان لوگوں کا دردِ سر ہے جو راہ گزر فراہم کریں۔ اب مجھ اکیلی کے قائل ہو جانے سے باقی سب کو کوئی فرق نہیں پڑنے والا۔‘‘ وہ صحیح کہہ رہی تھی مگر پھر بھی اسے بہت دکھ ہوا تھا۔ سر درد کی لپیٹ میں آیا تو وہ خاموشی سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"بہت اچھا فائدہ اٹھا رہے ہو تم لوگ آزادی کا' بہت خوب...!" صرف ایک پل کے لیے رک کر کہنے کے بعد وہ پھر وہاں ٹھہری نہیں تھی' سیدھی گھر چلی آئی جب کہ ماریہ اس کے جانے کے بعد صدف سے پوچھ رہی تھی۔

"اس کے ساتھ کیا مسئلہ ہے یار؟ جب دیکھو نصیحتوں کی پٹاری کھولے رکھتی ہے۔ بندہ اس عمر میں بھی انجوائے نہ کرے تو کب کرے...؟ اور ویسے بھی جو لوگ یہ سب کروا رہے ہیں کیا انہیں نہیں پتا گناہ ثواب کا۔" اسے شاید برا لگا تھا۔ صدف ایک ترحم آمیز نگاہ اس پر ڈالتی ہوئی مسکرا دی۔

"ہر بندے کے حساب کا کھاتہ الگ ہے میری جان! کب کس گناہ پر پکڑ ہو جائے' کیا خبر...؟ ویسے بھی ربّ اپنے جن بندوں پر مہربان ہو جائے انہیں گناہ کا موقع نہیں دیتا اور بعض اوقات گناہ کا موقع نہ ملنا بھی ربّ کی بڑی نعمت ہوتی ہے' مگر تم یہ باتیں نہیں سمجھو گی۔ یہ آگہی کی باتیں ہیں۔ سمجھ میں آ جائے تو معمولی فقیر بھی ہدایت سے مالا مال ہو جائے۔ نہ سمجھ میں آئیں تو بڑے بڑے بادشاہ اور قلندروں کی سمجھ میں نہیں آتے۔" صدف کے لہجے میں ٹھہراؤ تھا۔ ماریہ الجھن کا شکار ہو کر رہ گئی۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

"تم کہنا کیا چاہتی ہو میں نیٹ کا استعمال بند کر دوں؟"

"نہیں...! میں صرف یہ کہنا چاہتی ہوں کہ ہر اس راہ سے دامن بچا کر چلو جو تمہیں گمراہی کی طرف دھکیلے یہ چیٹنگ' یہ دوستیاں' یہ گپ شپ ہمارا سکون ان میں نہیں ہے ماریہ! نہ ہی یہ ہماری حقیقی نجات کا رستہ ہیں' پھر ہم اپنے ربّ کی ناراضی کا سبب کیوں بنیں؟ اور پتا ہے نیکی کا اصل مزہ اس میں نہیں کہ آپ کو برائی کا موقع ہی نہ ملے۔ اصل نیکی' اصل ایمان تو یہ ہے کہ آپ مکمل اختیار رکھتے ہوئے بھی صرف اپنے ربّ کے لیے برائی سے باز رہیں۔ یوں کہ برائی آپ سے صرف ایک ہاتھ کے فاصلے پر ہو مگر آپ اپنے اللہ کے لیے خود سے یہ کہہ دیں کہ نہیں میں اس راہ سے بے زار ہوں۔" وہ بول رہی تھی اور ماریہ کا سر جھکتا جا رہا تھا۔

"میرے لیے یہ سب چھوڑنا ممکن نہیں ہے' تم دعا کرو خدا مجھے برائی سے بے زار کر دے۔"

"ٹھیک ہے' میں دعا کروں گی مگر یہ کچے ایمان کی نشانی ہے' دنیا میں کوئی گناہ ایسا نہیں ہے جو آپ اللہ کی رضا کے لیے چھوڑنا چاہیں اور چھوڑ نہ سکیں۔ جو گناہ اور دنیا کی دلدل میں

دھنس جاتے ہیں ناں ماریہ! ہمیشہ انہیں برائی سے دامن چھڑانے میں وقت لگتا ہے اور وہ پھر بھی ناکام رہتے ہیں۔ اللہ کا کرم جس پر ہو جائے اس کے لیے تو بس ایک پل ہی کافی ہے۔"

"تمہاری باتوں میں اثر ہے صدف! میں وعدہ کرتی ہوں سدھرنے کی کوشش کروں گی مگر یہ فوری ممکن نہیں ہے۔"

"ٹھیک ہے' میں اب چلوں گی ویسے بھی تعلقات اور برائی کی گہرائی کا پتا اسے چھوڑتے وقت ہی لگتا ہے۔" سارہ نہیں تھی تو اس کا بھی یونیورسٹی میں کوئی کام نہیں تھا۔ ماریہ وہیں بیٹھی اسے جاتے دیکھتی رہی۔

...☆☆☆...

جبار جعفری کے جدہ جانے کے بعد اس کا دل زندگی سے اور بھی اچاٹ ہو گیا تھا۔ اس روز یونیورسٹی سے واپسی کے بعد وہ بہت دیر تک روتی رہی تھی۔ شام ابھی ڈھل رہی تھی۔ جب صدف اس کی طرف چلی آئی۔

"سارہ کی بچی! تم وہاں مجھے اکیلی چھوڑ آئیں۔ شرم تو نہیں آئی ہو گی ناں تمہیں؟"

"آئی تھی مگر یہیں نے معذرت کر لی یہ کہہ کر کہ ابھی گھر جا رہی ہوں پھر آنا۔" اس کے چہرے پر سرخی تھی مگر لب مسکرا رہے تھے۔ صدف نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

"سارہ تمہیں نہیں لگتا تم روز بہ روز اکیلی ہوتی جا رہی ہو؟"

"کیا فرق پڑتا ہے؟" اس نے پھر مسکرانے کی کوشش کی تھی۔ صدف اسے دیکھ کر رہ گئی۔

"مجھے یہ سب اچھا نہیں لگ رہا' جو جس حال میں ہے رہے' تمہاری بلا سے... تم کیوں ہر بات کی پریشانی سوار کر لیتی ہو خود پر؟ دیکھو میری جان! جب یہ طے ہے کہ سب کو اپنی اپنی الگ قبر میں جانا ہے تو تم دوسروں کے لیے خود کو دکھی کیوں کرو؟ ایک تمہارے چاہنے سے تو سب کچھ ٹھیک نہیں ہو جائے گا نا!"

"میں جانتی ہوں صدف! ایک محض میرے چاہنے سے یہاں سب کچھ ٹھیک نہیں ہو گا' مگر میں کیا کروں میں چاہوں بھی تو بے حس نہیں رہ سکتی۔ بہت شفاف ہوں میں اپنوں کے لیے' ضرورت کی آخری حد تک مجھے اپنے کسی بھی نقصان کی پروا نہیں ہے۔ بس میرے اپنے ہر دائمی دکھ و نقصان سے محفوظ رہیں۔"

"بہت مشکل ہے یہ... خیر چھوڑو... میں تمہیں کچھ اور بتانے آئی تھی۔"

"کیا؟"

"وہ اپنا پرانا محلہ دار تھا نا حاکم علی جو پھر لوٹ کر اپنے پرانے مکان میں واپس آیا ہے۔"

"ہاں کیا ہوا اسے...؟"

کل رات گلے میں پھندا ڈال کر خودکشی کر لی بے چارے نے۔"

"کیا...! مگر کیوں؟" سارہ کو لگا جیسے اس اطلاع پر اس کا دماغ بھک سے اڑ گیا ہو۔

"کیوں کیا یار! ایک مہینے سے فیکٹری بند ہے۔ کوئی کام نہیں مل رہا تھا۔ پچھلے دو ہفتوں سے سخت گرمی میں دن بھر مزدوری کے لیے قطار میں بھی کھڑا رہا تھا۔ مگر مزدوری بھی ایک دن ملتی اگلے دو دن پھر فاقے۔ کل شام سنا ہے اس کی چھوٹی بیٹی بھوک سے بے ہوش ہو گئی۔ وہ اسپتال لے کر بھاگا تو ڈاکٹرز نے توجہ نہیں دی۔ مزید قرض کے لیے رشتہ داروں' یار دوستوں سے کہا تو سب نے صاف ہاتھ جھاڑ دیے۔ اسپتال کی راہداری میں اُدھر اس کی بیٹی نے دم توڑا اور ادھر اس کی ننھی سی معصوم لاش خود بازوؤں پر اٹھا کر گھر لانے کے بعد اس نے کمرے میں جا کر پھندا لگا لیا اور کرتا بھی کیا بے چارہ...! تین دن سے گھر کا چولہا ٹھنڈا پڑا تھا مگر کسی نے جھانک کر نہیں دیکھا اب مر گیا ہے تو ساری دنیا تماشا دیکھنے کو اکٹھی ہو گئی

WWW.PAKSOCIETY.COM

ہے۔" صدف کے تفصیلی جواب پر اسے لگا اس کا دل غم سے پھٹ جائے گا۔ اس کا گھر بھی تو اسی محلے میں تھا وہ بھی تو خبر رکھ سکتی تھی' مدد کر سکتی تھی۔ مگر اس نے خبر نہیں رکھی۔ اس کا ہمسایہ پہلو میں اپنے بھوکے بچوں کو تھپک تھپک کر سلاتا رہا اور وہ کتنے مزے سے پیٹ بھر کر سکون کی نیند سوتی رہی۔ کیا ربّ اس غفلت پر اسے معاف کرے گا۔ اپنے ہاتھوں اپنی قیمتی جان کا سرمایہ موت کے سپرد کرنے والا وہ شخص یہودی یا عیسائی نہیں تھا وہ سکھ اور ہندو بھی نہیں تھا۔ وہ مسلمان تھا ایک ہی خدا اور اس کے سچے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ماننے والا۔ اس کے وطن کا باشندہ پھر بھی سب نے اس کا تماشا دیکھا۔ کسی نے اس کی مدد نہیں کی۔ اسے لگا جیسے اس کا دم کہیں سینے میں ہی گھٹ جائے گا۔ یہ بے حسی' یہ بے بسی' یہ سنگ دلی...! کیا اس کے لیے علیحدہ سرزمین چاہی تھی انہوں نے؟ کیا یہی وہ بھائی چارہ تھا جو قیام پاکستان کی بنیاد بنا تھا؟ وہ سر جھکائے آنسو ضبط کرتی رہی۔ جبار جعفری نے کہا تھا وہ اپنی ذات کے دائرے سے باہر نکل کر دیکھے کہ زندگی کتنی حسین ہے۔ اس نے اپنی ذات کے دائرے سے باہر نکل کر دیکھ لیا تھا۔ اپنے سارے غموں سے سر جھٹک کر دامن جھاڑ لیا تھا۔ پھر بھی زندگی تھی کہ اپنی تمام تر بدصورتیوں کے ساتھ اس کے سامنے کھڑی تھی۔ صدف اب کچھ اور بتا رہی تھی مگر سارہ کو لگا جیسے وہ کچھ سننے کی صلاحیت ہی کھو بیٹھی ہو۔

...☆☆☆...

اپنے کردار سے گرد دور نکل جائو گے

خواب ہو جائو گے افسانوں میں ڈھل جائو گے

دے رہے ہیں جو تمہیں آج رفاقت کا فریب

ان کی تاریخ پڑھو گے تو دہل جائو گے

اپنی مٹی پہ چلنے کا سلیقہ سیکھو

سنگ مرمر پر چلو گے تو پھسل جائو گے

خواب گاہوں سے نکلتے ہوئے ڈرتے کیوں ہو؟

دھوپ اتنی تو نہیں ہے کہ پگھل جائو گے

تیز قدموں سے چلو اور تصادم سے بچو

بھیڑ میں سست چلو گے تو کچل جائو گے

WWW.PAKSOCIETY.COM

''یار میری تو سمجھ میں نہیں آتا' آخر اس ملک کے لوگوں کا بنے گا کیا؟ برسوں جن سے جوتیاں کھاتے رہے ہیں۔ اب پھر انہی کی رفاقت کا دم بھر رہے ہیں۔ سچا فرمان ہے میرے ربّ کا۔ جیسی قوم' ویسے حکمران...!'' صدف کی شادی طے پا چکی تھی۔ لہٰذا وہ اس کے ساتھ مارکیٹ آئی تھی۔ جب ایک جگہ جلوس دیکھ کر وہ رک گئی۔

''نہیں صدف! اس ملک کے جو عوام ہیں وہ تقسیم ہو گئے ہیں۔ اونچا طبقہ' درمیانہ طبقہ' غریب طبقہ میں۔ اونچے طبقے کے لوگ ہیں انہیں بھوک نہیں ستاتی۔ نہ وہ سردی میں ٹھٹھرتے ہیں' نہ انہیں گرمی میں مچھر کاٹتے ہیں انہیں پتا ہی نہیں کہ جب کوئی جان سے پیارا رشتہ بیماری کی لپیٹ میں آجائے اور جیب میں اتنے پیسے نہ ہوں کہ اس کا علاج کروایا جا سکے تو اس رشتے کو ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مرتے دیکھنے کی اذیت کیا ہوتی ہے۔ انہیں تو صرف یہ فکر ہوتی ہے کہ فلاں تقریب میں کیسے کپڑے پہننے ہیں' کیسے سب سے ممتاز نظر آنا ہے؟ ووٹ بھی ملکی وقار اور ضرورت کے لیے نہیں دیتے یہ لوگ' تعلقات پر دیتے ہیں۔ جس وزیر' مشیر سے جتنا قریبی تعلق ہو۔ اسی کے مطابق ووٹ دیتے ہیں خواہ وہ ملک کے لیے کتنا

ہی نقصان دہ کیوں نہ ہو۔ دوسرا طبقہ درمیانے درجے کے لوگوں کا ہے۔ بے چارے اپنے بھرم کے مارے درمیان میں لٹکے ہوئے لوگ۔ انہیں سمجھ ہی نہیں آتا کہ وہ چنیں تو کسے چنیں۔ کون ہے جو ان کے لیے نجات دہندہ ثابت ہو سکتا ہے۔ یہ لوگ تقریروں پر نثار ہوتے ہیں۔ جسے زیادہ جذباتی دیکھتے ہیں ملک کے لیے اسی کے پیچھے بھیڑ بکریوں کی طرح چل پڑتے ہیں اور جو تیسرا طبقہ ہے ناں ہمارا وہ غریب گھرانوں کا طبقہ ہے صدف! جہاں سب سے بڑا مسئلہ ملک نہیں‘ بھوک ہے۔ انہیں اس سے کوئی غرض نہیں کہ کون ملک کے ساتھ کتنا وفادار ہے۔ بھوک کے ہاتھوں اکتائے یہ معصوم لوگ۔ کھلونوں کی جگہ استعمال ہوتے ہیں۔ وہ پیسا جو یہ بے حس حکمران اپنے دورِ اقتدار میں عوام کا خون چوس چوس کر اکٹھا کرتے ہیں اس کا ایک معمولی سا حصہ وہ ان لوگوں پر خرچ کر کے چار ہزار‘ چھ ہزار‘ دس ہزار میں ووٹ کی صورت ان کا حق خودارادیت خرید لیتے ہیں تاکہ اگلے کئی سال تک اس چار‘ چھ اور دس ہزار کے عوض لاکھوں روپے انہی لوگوں کی ہڈیوں سے وصول کر سکیں۔ ساری بات آگہی کی ہے صدف! پچھلے چونسٹھ برسوں میں ہمارے حکمرانوں نے اس ملک کے غریب محنت کش عوام کو شعور آنے ہی نہیں دیا۔ ایسا الجھا رکھا ہے روٹی‘ کپڑے اور مکان کے جھوٹے فریب میں کہ عوام اپنے بنیادی حقوق کی طرف توجہ ہی نہیں کر پا رہے۔

سارا نظام کھوکھلے دعوؤں اور مضحکہ خیز بیان بازی پر چلتا ہے۔“ جلوس اب آگے بڑھ گیا تھا۔ وہ بس اسٹاپ کی طرف نکل آئیں۔ ”ہمیں عقل اور شعور ہی نہیں ہے صدف! سیکڑوں دیہات ہیں ایسے جہاں برس ہا برس سے انہیں پارٹیوں کے ظالم کارکن جاگیردار‘ ملک‘ وڈیرے بن کر حکمرانی کر رہے ہیں۔ جتنے لوگ ان کے ماتحت ہیں‘ ان کی جرأت ہی نہیں کہ وہ چاہنے پر بھی ان ناخداؤں کی مرضی کے خلاف اپنے حق کا استعمال کر سکیں۔ مٹی کے بے جان پتلوں کی طرح ظلم سہتے‘ صرف دو وقت کی روٹی کے لیے وہ ان جابر وڈیروں‘ جاگیرداروں کے اشاروں پر کٹھ پتلی کی طرح ناچتے ہیں۔ پھر کوئی حق دار‘ مخلص‘ رہنما کیسے مل سکتا ہے۔ اس ملک کے عوام کو...!“ وہ دکھی تھی۔ صدف اس کی باتوں پر سر دھنتی ٹیکسی کی تلاش میں نگاہیں دوڑانے لگی۔

”سچی سارہ! اگر تم سیاست میں آجائو نا تو اس ملک کے عوام کی قسمت سدھر جائے۔“

”اللہ کی پناہ! جو میں ایسی راہ چنوں‘ جس پر میرا ایمان دائو پر لگ جائے۔“

”کیا مطلب؟“ اس کی فوری توجہ پر صدف مسکرائی تھی۔ جب وہ بولی۔

"تم نے سنا نہیں قوم کا حکمران قوم کا خادم ہوتا ہے' اگر اس کی حکمرانی میں کہیں ایک کتا بھی بھوک سے مر جاتا ہے تو اس کتے کی جان کا حساب بھی اس وقت کے حکمران کی گردن پر ہوتا ہے۔ ہمارے خلفائے راشدین کی زندگیوں کے واقعات تو پڑھے ہوں گے' تم نے کون بہادر ہے حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسا جو رات بھر گلیوں میں گشت کرتے پھرتے تھے کہ کہیں عمر کی حکومت میں کوئی کتا بھی بھوکا نہ بلک رہا ہو۔ ورنہ میں آخرت میں اس کا حساب کیسے دوں گا اور یہاں...! یہاں تو قیمتی جانوں کے خزانے لٹ رہے ہیں ڈیئر۔ عمر کی پونجی دان کر کے مائیں اپنے جن جگر کے گوشوں کو جوانی کی دہلیز تک سہارے کے لیے لاتی ہیں انہیں صرف ایک لمحے میں خود کش حملہ' بم دھماکہ یا کوئی حادثہ نگل کر موت کی اندھیری وادی میں اتار دیتا ہے۔ کون ذمہ دار ہے ماؤں کے اس عظیم نقصان کا؟ شہریوں کے جان و مال کا تحفظ کس کی ذمہ داری ہے؟ شیشے کے محلوں میں بیٹھ کر غریب عوام کی اذیتوں کا تماشا دیکھنے والے یہ وقت کے فرعون ہیں صدف! تم چاہتی ہو میں ان میں شامل ہو جاؤں؟"

WWW.PAKSOCIETY.COM

"نہیں یار! میں تو قوم کی اصلاح کے لیے کہہ رہی تھی۔ اس وقت پاکستانی قوم جس پل صراط سے گزر رہی ہے۔ اسے ایک قائد' ایک اقبال کی اشد ضرورت ہے۔" اس نے ہاتھ کے اشارے سے بالآخر ایک ٹیکسی روک ہی لی تھی۔

"بہت مشکل ہے اب اس قوم کی اصلاح صدف! ہماری ہڈیوں میں بے حسی' بے راہ روی رچ بس گئی ہے۔ نماز پڑھ کر قرآن کی تلاوت کر کے' اللہ سے محبت کے بلند و بانگ دعوے کر کے بھی ہمیں روحانی سکون سے زیادہ دنیاوی لذت کی طلب محسوس ہوتی ہے۔ جہاں ایسی منافقت ہو وہاں ہم اصلاح کی بات کیسے کر سکتے ہیں؟ خود اپنی حالت پر ترس کھا کر ہمیں اپنے حق کے لیے آواز اٹھانی ہو گی۔ ورنہ روندھی ہوئی قوموں کا جو انجام ہوتا ہے وہی ہمارا ہو گا۔"

"ہائے اللہ نہ کرے۔" صدف نے اس کی پیش گوئی پر بے ساختہ دہل کر کہا تھا۔ پھر موضوع بدل دیا۔

"جبار جعفری بھائی کیسے ہیں۔ جدّہ پہنچ کر بات کی انہوں نے کہ نہیں؟"

"روز بات کرتے ہیں یار! بقول ان کے مجھ سے بات کیے بغیر انہیں نیند ہی نہیں آتی۔"

"ہائے میں صدقے جائوں۔" وہ اس کا دھیان بٹانے میں کامیاب ہو گئی تھی۔

"ویسے تمہاری اور جبار جعفری بھائی کی انڈر اسٹینڈنگ غضب کی ہے۔ خیال بھی اتنا ہی رکھتے ہیں تمہارا۔ مجھے تو لگتا ہے سارہ شادی کے بعد جب تم دو چار ننھے منے بچوں کی اماں بن جائو گی تو بس گھر' شوہر اور بچے ہی یاد رہیں گے۔ یہ ملک' اس ملک کے مسائل سب نکل جائے گا ذہن سے۔"

"نہیں' ایسا کبھی نہیں ہو گا۔ میرے لیے ہر محبت ہر رشتے کا علیحدہ مقام ہے۔"

"اچھا فرض کرو اگر خدانخواستہ جبار جعفری بھائی کی اماں کی نیت بدل گئی اور تمہاری شادی ان سے نہ ہو سکی تو کیا کرو گی؟"

"کیا کرنا ہے' لڑکوں کی کوئی کمی ہے اس شہر میں؟ شادی ہی کرنی ہے نا کسی اور سے کر لوں گی۔" مسکرا کر کتنی سہولت سے اس نے کہہ دیا تھا۔ صدف اسے گھور کر رہ گئی۔

اچھا اور وہ جو محبت کی سچائی پر لمبے لمبے لیکچر دیتی ہو' جیتی مرتی ہو اس کا کیا ہو گا؟"

"تم نے شادی کا پوچھا ہے محبت کا نہیں۔" وہ اب سنجیدہ ہو چکی تھی۔ اسی اثناء میں گھر آ گیا تو وہ دونوں ٹیکسی سے نکل آئیں۔

صدف کے والد بینک میں اچھے عہدے پر فائز تھے۔ ان کی ایک ہی بیٹی تھی۔ لہٰذا اس کے لیے جہیز میں شاید ہی کوئی ایسی چیز ہو گی جو انہوں نے چھوڑی ہو۔ لڑکے کے گھر والے یوں اترائے پھر رہے تھے جیسے وہ شادی نہیں کوئی بہت بڑا کاروباری معاملہ طے کر رہے ہوں۔

صدف کے ساتھ ساتھ سارہ نے بھی یونیورسٹی سے پندرہ یوم کی چھٹی لے لی تھی اور آج کل وہ زیادہ وقت اسی کے ساتھ مصروف رہتی تھی۔ ابٹن سے ایک روز پہلے صدف کے گھر والوں نے جہیز کی نمائش کی تھی اور نمائش کیا تھی۔ اپنے ہم پلہ رشتہ داروں کی جلن اور اپنے سے نیچے درجے کے لوگوں کے لیے ایک "کسک" کا انتظام تھا۔ جو وہاں جہیز کی نمائش کی صورت میں کیا گیا تھا۔ خود سارہ کی آنکھیں اس برتری کے خمار پر پھٹی کی پھٹی رہ گئی تھیں۔ وہ صدف کی مما کے ساتھ مختلف امور سنبھال رہی تھی اور ابھی تھوڑی دیر پہلے ہی آئی تھی۔ جہیز کی نمائش دیکھنے کے لیے آنے والی خواتین کا تانتا بندھا تھا۔ تبھی اس نے کسی خاتون کو کہتے سنا۔

"بھئی یہ ہوتا ہے ماں باپ کا دل اور یہاں سے پتا لگتا ہے کہ بیٹی کے لیے کتنی محبت ہے ان کے دل میں...! میں نے اپنا فواد ایویں کنگلوں میں مانگ لیا۔ اللہ عمر لمبی کرے۔ میرے بیٹے میں کس چیز کی کمی ہے۔ بس میں نے بھی سوچ لیا ہے۔ آج ہی ان کنگلوں کی انگوٹھی ان کے منہ پر مار کر آئوں گی۔ ہم نے کوئی ٹھیکہ لیا ہوا ہے نیکی کا۔ مجھے بھی ایسی ہی بہو چاہیے جو لاکھوں کا جہیز لے کر آئے۔" اس نے پلٹ کر ان بھاری بھر کم سی خاتون کو دیکھا تھا جو اپنی ساتھ والی سے اپنے نادر خیالات کا اظہار کر رہی تھی اور پھر ان کے پاس چلی آئی۔

"السّلام علیکم، آنٹی!" خاتون اس کے سلام پر چونکی تھیں۔

"وعلیکم السّلام! میں نے پہچانا نہیں بیٹے۔"

"پہچانیں گی بھی کیسے، میرا کون سا خون کا رشتہ ہے آپ کے ساتھ۔ میں تو صرف آپ کے نادر خیالات کا اظہار سن کر چلی آئی۔ صرف یہ پوچھنے کے لیے کہ جس بیٹے کے لیے آپ کسی غریب لڑکی کا دل اور خواب توڑ کر لاکھوں کے جہیز والی بہو لائیں گی۔ اس کے ساتھ یہ گارنٹی ہو گی کہ وہ آپ کی تا عمر قدر اور عزت بھی کرے گی؟ اللہ ربّ العزت کی ناراضی مول لے

کر یہ قدم اٹھانے کے بعد کیا آپ کو یقین ہے کہ آپ کی لاکھوں کے جہیز والی امیر بہو آپ کا بیٹا آپ کے بڑھاپے کا سہارا آپ سے چھین کر نہیں لے جائے گی؟"

"وہ تو کسی کی بھی گارنٹی نہیں، غریب گھر سے لائوں گی تو وہ بھی چھین کر لے جا سکتی ہے، پھر میں کیوں نہ اپنی برادری میں ناک اونچی کروں؟"

خاتون کو شاید اس کی نصیحت بری لگی تھی۔ وہ ان کی طرف دیکھتی ہوئی پھیکے سے انداز میں مسکرا دی۔

"اونچی ناک کی خواہش ہے، زندگی میں اچھے کردار کی کوئی پروا نہیں، ایک بات یاد رکھیے گا آنٹی! ہر انسان اپنے اعمال کا صلہ پاتا ہے۔ یہاں آپ کسی کے کام آئیں گی۔ وہاں اوپر اللہ ربّ العزت آپ کی اس نیکی کے صدقے سو بگڑے کام سنوارے گا آپ کے۔ چلیں یہ نہ بھی سوچیں پھر بھی یہ جو غریب لڑکیاں ہوتی ہیں نا۔ بڑی قدر دان ہوتی ہیں رشتوں کی۔ بھوک سے نکل کر آتی ہیں۔ کہیں لے کر نہیں بھاگ سکتیں آپ کے بیٹوں کو۔ کیونکہ رخصتی کے وقت ماں باپ ان کے دماغوں میں ایک ہی بات بٹھاتے ہیں کہ چاہے کچھ ہو جائے بابل کی دہلیز سے ڈولی پر رخصتی کے بعد سسرال سے جنازے کی صورت ہی باہر نکلیں۔ بیٹی بسائے

رکھنے کے لیے ماں باپ اور بہن بھائی بھی غلام بن کر رہتے ہیں آپ کے جب کہ لاکھوں کے
جہیز والی بہو کے ماں باپ کے سلوک کا پتا آگے چل کر لگتا ہے۔" وہ ضرورت سے زیادہ
صاف گو تھی' خاتون نے اس کے لیکچر پر بے ساختہ نظریں چرائی تھیں۔"جہیز لوگ اپنی
بیٹی کو دیتے ہیں آنٹی! داماد کی ماں کو نہیں مگر یہ بات ہمارے اس آزاد وطن کی' مقید ذہنوں
والی ماؤں کی سمجھ میں کم ہی آتی ہے۔ بہر حال یاد رکھیے گا خواب ہمیشہ غربت کا شکار آنکھیں
دیکھتی ہیں۔ سونے کا چمچ منہ میں لے کر پیدا ہونے والوں کے لیے ان کی کوئی وقعت
نہیں۔" کم وقت میں شاید زیادہ سمجھا کر وہ پلٹی تھی اور آگے بڑھ آئی تھی۔ جب اس کی نگاہ
سامنے ہی سر جھکائے کھڑی' اس لاغر سی عورت پر پڑی تھی جس کی آنکھوں میں آنسو تھے
اور وہ تھوڑی دیر قبل اسے ہی دیکھ رہی
تھی۔

"معاف کیجیے گا۔" اس کے لیے اس عورت کو نظر انداز کرنا ممکن نہیں تھا تبھی پاس چلی آئی
تھی۔ عورت نے اس کی پکار پر جلدی سے آنسو صاف کیے۔"آپ کیوں رو رہی ہیں؟"

"کچھ نہیں بیٹا۔ آپ کی باتیں سن کر آنکھوں میں آنسو آ گئے۔"

WWW.PAKSOCIETY.COM

"اس کا مطلب ہے آپ بھی بیٹی والی ہیں؟" اندازے لگانے میں اس کا کوئی ثانی نہیں تھا۔

"جی ہاں چار بیٹیاں ہیں میری' ایک بیٹا ہے۔ دو سال پہلے بڑی بیٹی کی شادی کی تھی۔ اسے
رقم کا مطالبہ پورا نہ ہونے پر سسرال والوں نے زندہ جلا دیا۔ اسی غم میں میرے میاں کی
جان چلی گئی۔ پیٹ کاٹ کاٹ کر بچوں کو اچھی تعلیم دلوائی۔ لوگوں کے گھروں میں کام کیا۔
ان کی جھڑکیاں سنیں۔ فاقے کیے' مگر پھر بھی کسی بچے کو ملازمت نہیں ملی۔ بیٹیوں کی
عمریں نکل رہی ہیں۔ اچھی صورت' سیرت اور تعلیم کے زیور سے مالا مال ہو کر بھی صرف
جہیز کے لیے اپنے دل مارے بیٹھی ہیں میری بیٹیاں۔ بھائی نے ان کی خوشی کے لیے بنا مجھے
بتائے اپنا ایک گردہ بھی بیچ دیا۔ پھر بھی لوگوں کی ہوس ہے کہ بڑھتی ہی جا رہی ہے۔ کوئی
مجھ سے پوچھے مجھے کتنی پیاری ہیں میری بچیاں' مگر میں مجبور ہوں' کہاں سے لاؤں
لاکھوں کا جہیز۔ جب کہ اب تو میرا بچہ بھی بیمار رہنے لگا ہے۔" عورت کے آنسو تھے کہ
رک نہیں رہے تھے۔ سارہ دکھی نگاہوں سے اسے دیکھتی رہ گئی۔

"آپ کا میکہ یا رشتہ دار وغیرہ نہیں ہیں؟"

"اچھے وقتوں میں تھے اب نہیں ہیں۔" مختصر سے اس جملے میں کیا نہیں تھا۔ وہ تڑپ کر رہ گئی۔

"تاریخ اس بے حسی کے لیے پاکستانی قوم کو کبھی معاف نہیں کرے گی آنٹی! ہم سب شرمندہ ہوں گے روزِ محشر اپنے اپنے کردار پر...!"

کوئی تسلی کوئی دلاسہ نہیں تھا اس کے پاس۔ عورت بے چاری مزید آنسوئوں کو بہنے سے کیسے روکتی۔ صدف کی مما کی تیز پکار پر بوتل کے جن کی طرح حواس میں واپس پلٹ کر ان کی طرف بھاگی تھی۔ سارہ کی نگاہیں بے ساختہ آسمان کی طرف اٹھ گئیں۔ اس کے ہونٹ کس کرب سے گنگنا رہے تھے۔

"وطن کی مٹی گواہ رہنا

گواہ رہنا

وطن کی مٹی عظیم ہے تو

عظیم تر ہم بنا رہے ہیں

گواہ رہنا

تاریخ کے باب میں اس سے زیادہ مضحکہ خیز الفاظ بھلا کوئی اور بھی ہو سکتے تھے!

...☆☆☆...

صدف کی رخصتی ہو گئی تھی مگر شادی ہوتے ہی اس پر یہ عقدہ کھل گیا کہ وہ اپنے شوہر کی دوسری "خاندانی" بیوی بن کر اس کی زندگی میں داخل ہوئی ہے۔ وہ شخص کہ جس کے لیے اس نے پچیس سال خود کو سنبھال سنبھال کر رکھا جس کے لیے لاکھوں کا ساز و سامان اور اپنا آپ پور پور سجا کر لائی تھی۔ وہ اس کا نہیں تھا۔ پہلے سے کسی اور کا شوہر تھا۔ باپ کا بڑا نام' بے تحاشا روپیہ' آنکھوں کو خیرہ کر دینے والا حسن' کچھ بھی تو کام نہیں آیا تھا اس کے۔ قیامت ہی قیامت تھی کہ دنیا کی ہر چیز جہیز میں لا کر بھی وہ تقدیر سے سرخروئی و خوشی نہیں پا سکی تھی۔ زندگی کا رخ بدل کر رکھ دینے والا بندھن اس کے لیے ہر خوشی سے عاری ثابت ہوا تھا۔ جو اس کی زندگی اس کے جذبوں کا مالک بنا تھا پہلے سے شادی شدہ تھا۔ پانچ سالہ خفیہ ازدواجی زندگی گزارنے کے بعد وہ دو بچوں کا باپ بھی بن گیا تھا۔ اس کے پاس دوسری بیوی کو دینے کے لیے کچھ خاص نہیں تھا۔ کچھ بھی خاص نہیں تھا۔ دو عورتوں کے درمیان تقسیم

شخص اسے دے بھی کیا سکتا تھا۔ نہ احساسات' نہ خوشی کا کوئی پہلا احساس اور نہ ہی ستائش کا کوئی نیا نکور جملہ۔ اگلی صبح وہ سارہ سے ملی تو اس کی آنکھیں کسی بھی رنگ سے محروم تھیں۔ یوں جیسے وہ ایک رات میں میلوں دشت کا فاصلہ طے کر کے آئی ہو۔ اس سے پہلے کہ سارہ اس سے کچھ پوچھتی وہ اس کا ہاتھ تھام کر اپنی ماں کے پاس چلی آئی۔

''مما!'' وہ جو اپنی خوشی میں مست مہمانوں میں گم تھیں اور انہیں شادی پر آنے والے اخراجات کی تفصیل بتا رہی تھیں چونک اٹھیں۔ ابھی کل رخصت ہوئی ان کی بیٹی کی آنکھوں میں آنسو تھے۔

''آپ نے مجھے ہر چیز دی ہے مما! جن پیسوں سے کسی غریب کی چار بیٹیاں شان سے رخصت ہو سکتی تھیں۔ وہ پیسہ آپ نے صرف اپنی ایک بیٹی کی خوشیوں پر خرچ کر دیا۔ پھر بھی...! پھر بھی کمی رہ گئی مما! دعائوں کی کمی' اچھے نصیب کی کمی پلیز! اچھا نصیب بھی خرید کر دیجیے نا مجھے۔ آپ تو میرے لیے سب کچھ خرید سکتی ہیں۔ ہزاروں دلوں میں لالچ کا بیج اگا سکتی ہیں۔ سیکڑوں لالچی' عاقبت نا

اندیش عورتوں کی آنکھوں میں ہوس کے چراغ روشن کر سکتی ہیں۔ مجھے خوش خوش ساری عمر بسنے کی گارنٹی بھی لے کر دیجیے نا! خریدیے نا اللہ سے میرا نصیب۔'' وہ جذباتی ہو رہی تھی۔ سارہ نے اس کے سرد ہاتھ تھام لیے۔ اس کا دل اس لمحے بہت تیز دھڑک رہا تھا۔ صدف کی مما کے علم میں ساری بات آئی تو ان کا وجود ایک دم سے ڈھیلا پڑ گیا۔ ساری اکڑ' ساری خوشی' سارا گھمنڈ جیسے خاک میں مل گیا۔ یہ کیا ہو گیا تھا ان کے ساتھ۔ کیسا تمانچہ لگا تھا یہ قدرت کی طرف سے کہ وہ چیخ بھی نہ سکیں۔ شور مچا کر اپنے نقصان کا واویلا بھی نہ کر سکیں۔ کیا اسی لیے یہ سب جلدی جلدی ہوا تھا کہ انہیں ٹھوکر کھانی تھی۔ صدف رو رہی تھی اور ان کا بس نہیں چل رہا تھا کہ اپنی ساری جائیداد کو ایک جگہ ڈھیر کر کے آگ لگا دیں۔ واقعی ان کی بیٹی کے نصیب میں دعائوں کی کمی رہ گئی تھی۔

...☆☆☆...

بھئی ہم تو جا رہے ہیں' پاکستان میں اب رکھا ہی کیا ہے' پرکھوں کی ہڈیاں' تلخ ماضی کی دھول' خودکش حملے' بم دھماکے' مہنگائی' بے روزگاری' لوڈشیڈنگ اور بے حس لالچی

لوگ جو بیٹے کے قاتلوں سے پیسے لے کر اپنا وقار بھی بیچ ڈالیں۔" اس روز جب وہ کپڑے دھو رہی تھی جبار جعفری کی بہن آئی تھی۔ سارہ کی ماں اس کا منہ دیکھتی رہ گئی۔

"یہ کیا کہہ رہی ہو بیٹی۔ جس وطن نے تمہیں نام دیا۔ اتنے سال اپنے سینے پر اجناس اگا اگا کر تمہارا پیٹ بھرا' اب اسی وطن کے لیے تمہارے لہجے میں حقارت در آئی ہے؟ ماں اگر بدصورت بھی ہو جائے تو ماں ہی رہتی ہے۔ کوئی دوسرا اس کا نعم البدل نہیں ہو سکتا۔ نہ ہی ماں کا چہرہ دیکھا جاتا ہے۔ اپنے وصف' اپنی مامتا سے پہچانی جاتی ہے ماں۔ برسوں غیر ملکوں کی خاک چھان لو' جب سانس رک جاتی ہے نا تو وہ جہاز تیار کر کے بھیج دیتے ہیں۔ پھر یہی ماں ہوتی ہے جو اپنی آغوش میں سلاتی ہے۔" وہ بھی سارہ کی ماں تھیں جبار جعفری کی بہن کے ماتھے کی تیوریاں بڑھ گئیں۔

"جن کو خود ترقی کا موقع نہیں ملتا نا خالا! وہ بس ایسے فلسفے ہی جھاڑ سکتے ہیں اپنے دل کی تسلی کے لیے۔ ہمیں تو اللہ نے موقع دیا ہے۔ ہمارا بھائی کمانے لگا ہے۔ وہ بلا رہا ہے تو ہم کیوں نہ جائیں؟""

"ضرور جائیو' بڑی خوشی کی بات ہے کہ دس سال کمائی کے بعد اب تمہارے بھائی کو تمہیں وہاں بلانے کا موقع ملا ہے۔ فائدہ تو اٹھانا چاہیے۔ ویسے بھی یہاں رہ کر تمہیں کیا کرنا ہے۔ بچہ جب چھوٹا ہوتا ہے تو اسے ماں کی ضرورت ہوتی ہے۔ جب بڑا ہو کر اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے کے قابل ہو جائے تو ماں کو اس کی ضرورت ہوتی ہے۔ ایسے میں وہ اپنی بیمار' کمزور' لاغر ماں کو جسے اس بچے نے خود ہی ان حالوں تک پہنچایا ہو' چھوڑ کر کسی اور کا سہارا بننے چلا جائے تو کتنی خوشی کی بات ہے نا! یہ ماں چاہے جلتی رہے' غیروں کے ہاتھوں روندھی جاتی رہے۔ گزرتے ہر دن کے ساتھ کمزور ہوتی رہے۔ اسے گھن کی طرح مسائل چاٹ جائیں۔ ہماری بلا سے' ہمیں تو اپنی زندگی دیکھنی ہے۔ غیروں کو فائدہ پہنچا کر خواہ ذلت ہی کیوں نہ سمیٹنی پڑے۔ بڑا فخر محسوس کرتے ہیں' مگر جب کسی کام کے نہیں رہتے جب وہ غیر ہمارا سارا لہو نچوڑ لیتے ہیں۔ تب پھر ہمیں یہ بدصورت و لاغر ماں یاد آتی ہے اور ہم مرنے کے لیے اس کی آغوش میں چلے جاتے ہیں۔ بڑی بدقسمتی ہے یہ دھرتی میری جان! اپنے بچوں کے لیے ہر نعمت مہیا کر کے بھی یہ انہیں اپنے پاس روک نہیں سکتی۔ بس بے بس' نم آنکھوں سے اپنا آنگن خالی ہوتا دیکھتی رہ جاتی ہے۔"

"خدا کا واسطہ ہے سارہ آپی! ہر وقت کتابی دنیا میں مت رہا کریں۔ زندگی خوابوں اور جذبات کے سہارے بسر نہیں ہوتی۔" سارہ کے طنز پر جبار جعفری کی بہن نے برہمی سے ہاتھ جوڑے تھے۔ تب وہ مسکرا دی۔

"یہی تو ساری بات ہے یار! زندگی گزارنے اور زندگی بسر کرنے میں بس اسی سوچ کا تو فرق ہے۔ ہم سمجھتے ہیں جو آگ ہم نے یہاں خود اپنی حماقتوں اور اپنی جذباتیت سے لگائی ہے۔ اسے جب تک کوئی باہر سے آ کر بجھا نہیں دیتا۔ ہم یہاں نہیں رہیں گے۔ باہر سے کون آئے گا ردا؟ ہماری اپنی لگائی آگ کون بجھائے گا باہر سے آ کر؟" وہ مسکرا رہی تھی مگر اس کی مسکراہٹ میں بھی عجیب سی تپش تھی۔

"اور موقع کی کیا بات کرتی ہو یار! کچھ لوگ محبت اور رشتوں کے معاملے میں بہت ایمان دار ہوتے ہیں وگرنہ یہ میری ماں گواہ ہے۔ کیسے کیسے رشتے نہیں آئے اس دہلیز پر...!" وہ ابھی شاید کچھ اور بھی کہنا چاہتی تھی مگر اچانک اس نے اپنے لب دبا لیے۔ بہر حال تم کہاں سمجھو گی ان باتوں کو' خالص رشتوں' خالص محبتوں کی قدر و قیمت کو... چائے لاتی ہوں' پی کر جانا۔"

WWW.PAKSOCIETY.COM

"نہیں' میں چلوں گی اب میرا پیٹ تو آپ کی باتوں سے ہی بھر گیا ہے۔"

وہ شاید برا مان گئی تھی۔ سارہ نے پروا نہیں کی۔ اس کا دل آج کسی بھی چیز میں نہیں لگ رہا تھا۔ عجیب قنوطیت سی طاری تھی دل و دماغ پر کہ کسی کے بھی راضی یا ناراض رہنے سے اسے جیسے کوئی فرق ہی نہیں پڑ رہا تھا۔ جبار جعفری کی بہن نے گھر جا کر اپنی ماں سے ایک کی دس لگائی تھیں۔ اور انہوں نے آگے جبار جعفری سے دس کی پچاس بنا کر کہیں۔ یہی وہ پہلا مقام تھا جب جبار جعفری کے دل میں اس کے لیے ہلکا سا بال آیا تھا۔ مگر اس نے فون کر کے سارہ سے اس کی وضاحت نہیں مانگی۔ نہ اس نے خود ہی اس بات کو اتنی اہمیت دی کہ خاص الخاص فون کر کے جبار جعفری سے یہ بات شیئر کرتی۔ نتیجتاً دونوں کے درمیان ایک غیر محسوس سا فاصلہ آ گیا۔ جس پر سارہ کو کئی روز تک اپنی ماں سے سخت ڈانٹ سننے کو ملی تھی۔

...☆☆☆...

صدف نے خلع کے لیے عدالت میں مقدمہ دائر کر دیا تھا۔ کیونکہ اس کا شوہر اپنے گھر والوں کے دباؤ میں کسی طور اسے چھوڑنے پر تیار نہیں تھا۔ البتہ وہ اپنی پہلی بیوی اور بچوں کے حقوق سے منہ

پھیرنے کو راضی ہو گیا تھا۔ جس پر صدف کی اس سے نفرت اور کراہیت میں مزید اضافہ ہو گیا۔ یونیورسٹی سے چھٹیاں ختم ہو گئی تھیں۔ مگر اس کا دل کسی طور پڑھنے کو نہیں چاہ رہا تھا۔ پھر بھی سارہ کی کوششوں سے اس روز وہ شکستہ سی یونیورسٹی چلی ہی آئی تھی۔

"شکر ہے جو تم دونوں کی شکل تو دیکھنے کو ملی۔" ماریہ کے چہرے پر انہیں دیکھتے ہی رونق آئی تھی۔ صدف سارہ کا ہاتھ پکڑ کر وہیں بیٹھ گئی۔

"دیکھا پھر کتنی مبارک شکلیں ہیں ہماری۔ اسی لیے کہتی ہوں قدر کیا کرو' ایسے لوگ روز روز نہیں آتے دنیا میں۔"

"جی ہاں اس میں تو کوئی شک نہیں' پرسوں تو میں تم دونوں کو بڑی شدت سے یاد کر رہی تھی۔"

"کیوں' خیریت؟"

"ہوں' وہ اصل میں میری ایک دوست کا انتقال ہو گیا ہے۔ ملتان میں پڑھتی تھی۔ بہت برا ہوا اس کے ساتھ۔"

"اللہ خیر کرے' کیا ہوا؟" صدف کے ساتھ ساتھ سارہ بھی چونکی تھی۔

"بہت برا ہوا یار! اور بہت ہو رہا ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کس منہ سے بتاؤں۔"

"اسی منہ سے بتا دو یار! خوامخواہ سنسنی مت پھیلاؤ۔" صدف اکتائی تھی۔ ماریہ نے اسے ایک نظر دیکھ کر رخ پھیر لیا۔

"اس روز تم نے اور سارہ نے جو باتیں سمجھائی تھیں۔ وہ اس وقت مجھے بکواس لگی تھیں مگر پھر بھی میں انہیں ذہن سے جھٹک نہیں پائی۔ غیر شعوری طور پر ہی میرا دل انٹرنیٹ اور موبائل وغیرہ سے اوب گیا مگر پرسوں مجھے دوست کی اذیت ناک موت کی خبر ملی اور اس کے پیچھے جو حالات جاننے کو ملے اس کے بعد میں اندر سے کانپ گئی۔"

"کیوں کیا ہوا دوست کے ساتھ؟" اس بار سارہ نے پوچھا تھا جواب میں ماریہ نے اس کے ہاتھ تھام لیے۔

"بہت برا سارہ۔ کتنے دکھ کی اور شرمندگی کی بات ہے۔ یہ ہمارے لیے کہ ان مقدس درس گاہوں سے منسوب ہو کر بھی اپنی عزت اور وقار کا خیال نہیں رکھتے۔ پتا ہے سارہ! جن کی دنیاوی ضرورتیں' خواہشات ان کی اوقات سے بڑھ جائیں ان کا انجام بھیانک ہی ہوتا ہے۔

یہ بڑے بڑے ہوٹلز جو دن کے اجالے میں حق حلال کا رزق اکٹھا کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ شب کی تاریکی میں یہاں انسانیت کیسے بلبلاتی ہے۔ کاش سب جان سکیں۔'' وہ اضطراب کا شکار تھی۔ سارہ کو غصہ آگیا۔

''شرم آتی ہے اپنے پاکستانی ہونے پر۔ دین کے نام پر وجود میں آنے والے اس ملک میں کیسے کیسے غیر انسانی کام نہیں کر رہے ہم۔ پتا ہے سارہ۔ میری دوست کا تعلق اچھی خاصی مال دار فیملی سے تھا۔ پھر بھی وہ پیسے جو گھر والے اسے ہوسٹل بھجواتے تھے اس کے لیے کم پڑ جاتے تھے۔ زائد پیسوں کے لیے وہ بد بخت بری لڑکیوں سے جا ملی۔ اس کی طرح ان کے اخراجات بھی گھر سے آئے ہوئے پیسوں میں پورے نہیں ہوتے تھے۔ اور ان کے ان ہوٹلز کے بڑے مگرمچھوں سے روابط تھے۔'' وہ سر جھکائے بولتی ماریہ کا لہجہ یہاں پہنچ کر ٹوٹ گیا تھا۔

''پرسوں اپنے انتقال سے ایک روز پہلے اس نے مجھے کال کی تھی اور یہ سب رو رو کر بتایا تھا۔ وہ گھر واپس آنا چاہتی تھی۔ مگر وہ جس دلدل میں پھنس چکی تھی۔ اس سے نکلنے کا کوئی راستہ نہیں تھا۔ اس کے عزائم جان کر اسے دھمکیاں مل رہی تھیں۔ وہ ان غلط لڑکیوں کے چنگل

سے نکل کر اپنے گھر لوٹنا چاہ رہی تھی مگر اس کو قتل کر دیا گیا۔ بہت بے دردی سے مارا گیا تھا اسے۔ میں دیکھ کر آئی تھی۔''

''اوہ' بہت برا ہوا۔ جنہوں نے قتل کیا' ان لوگوں کا کچھ پتا نہیں چلا؟''

''پتا نہیں' چلا بھی ہوگا تو وہ کیا کر سکتے تھے۔ اپنے ہاتھوں لگائی آگ میں جلنا تو پڑتا ہے۔''

''ہوں کتنے دکھ کی بات ہے کہ توبہ کا موقع بھی نہیں ملا اسے' کیا یہی آزادی تھی جس کے لیے ہم نے اتنی قربانیاں دیں؟'' صدف کہے بغیر نہیں رہ سکی تھی۔ سارہ کا سر جھک گیا۔

''یہ ہمارے وہ اعمال ہیں ماریہ۔ جن کے سبب آج ہم اس حال کو پہنچے ہوئے ہیں۔ اقبال نے کہا تھا اپنے کردار سے گر دور نکل جائو گے خواب ہو جائو گے افسانوں میں ڈھل جائو گے۔ اور دیکھ لو ہم خواب ہوتے جا رہے ہیں۔ ہمارے دلوں میں بے حسی اتر آئی ہے۔ ایمان دائو پر لگ گئے ہیں۔ روز حرام موت مر رہے ہیں ہم انہی اعمال کے سبب' دیکھو کیسے حکمران مسلط ہیں ہم پر' کہیں سکون رہا ہے نہ انصاف' بھائی چارہ رہا ہے نہ اتحاد آج غیر اپنی جنگ اور دشمنی میں ہمیں سوکھے ایندھن کی طرح استعمال کر رہے ہیں اور ہم کتنی بے حسی و بے بسی سے خود اپنی ہی بربادی کا تماشا دیکھ رہے ہیں۔ ہماری سرحدیں محفوظ رہی ہیں نہ زندگیاں۔ عدالتیں

بہری اور عسکری قیادت جیسے اندھی ہوگئی ہے' سب جانتے ہیں بہت غلط ہو رہا ہے۔ سب کو پتا ہے ہم مسلسل خطرے کی طرف بڑھ رہے ہیں پھر بھی پھر بھی کسی میں انقلاب کی ہمت نہیں۔ کوئی ان مٹھی بھر لوگوں سے احتساب کی ہمت نہیں کر رہا۔ اپنے اپنے مفاد کی زنجیر میں جکڑے یہ لوگ پتا نہیں کس عذاب کس قیامت کے منتظر ہیں۔" سارہ کے لہجے میں غصہ تھا۔ ماریہ کی آنکھیں آنسوئوں سے بھر گئیں۔

"ہمیں سوچنا ہوگا ماریہ! ہر سطح پر' ہمارے وہ کیسے اعمال ہیں جن سے ہم نے اپنے ربّ کو اتنا ناراض کر دیا ہے کہ اب بربادی ہی بربادی ہمارا نصیب بن کر رہ گئی ہے؟ کیا کر رہے ہیں ہم ایسا جو آج ہمارے وطن میں یہ سب ہو رہا ہے؟ کیسی بدنصیبی ہے یہ ہماری کہ پچھلے کئی سالوں سے غیروں کے مفاد پر قربان "ہم" ہو رہے ہیں۔ دوسروں کی راحت کے لیے ہم نے اپنے گھر میں خانہ جنگی شروع رکھی ہے۔ ہماری مائوں کے لعل ہماری مائوں کا اثاثہ لٹ رہا ہے۔ ماریہ! ان اعلیٰ قیادتوں کے تو جوتے کو بھی پروا نہیں ہے۔ کس کی طرف دیکھیں ہم انصاف کے لیے...؟" وہ اچھی خاصی جذباتی ہوگئی تھ

جب صدف بولی۔

"ان لوگوں کو خود پر استرے چلانے کے لیے بھی تو ہم ہی لائے ہیں سارہ! ہم ضرورتوں اور بھوک کے مارے عاقبت نااندیش لوگ یہ سوچنے کی ضرورت ہی محسوس نہیں کرتے کہ چار ہزار' چھ ہزار' دس ہزار لے کر اپنا جو قیمتی ووٹ ہم لٹیروں کو بیچ دیتے ہیں۔ وہی ہمارے لیے عذاب بن جاتا ہے۔ یہ رقم کتنے دن کھالیں گے ہم؟ مگر ان پیسوں سے اقتدار میں آئے غلط لوگ ہماری ہی ہڈیوں سے اربوں وصول کر کے نہ صرف اپنا کوٹہ پورا کر لیتے ہیں بلکہ ہمارے خون کے رشتے بھی چھین لیتے ہیں ہم سے' میں تو تھک گئی ہوں یار! میری ہمت تو جواب دے گئی ہے۔ کون آئے گا اب اس قوم کی اصلاح کے لیے جس میں فرعون تو موجود ہیں مگر کوئی موسیٰ نہیں ہے؟"

"صحیح کہا آپ نے۔" بھاری مردانہ آواز پر سارہ کے ساتھ ساتھ ماریہ اور صدف نے بھی پلٹ کر دیکھا تھا

"مجھے سہیل کہتے ہیں آپ ہی کا ہم جماعت ہوں۔" سینے پر ہاتھ باندھے کھڑے اس وجیہہ لڑکے نے ان تینوں کے پلٹ کر دیکھنے پر اپنا تعارف کروایا۔

"مجھے بھی پاکستان کی تاریخ سے بہت دل چسپی ہے۔ میں بھی ان لوگوں میں سے ہوں جو اپنے وطن کے لیے بہت حساس ہیں۔ آپ کی طرح میں بھی پہروں یہ سوچ کر کڑھتا رہتا ہوں کہ میرے وطن کا کیا ہوگا۔ ابھی اور کتنی جانوں کی قربانی چاہیے۔ اسے پھلنے پھولنے کے لیے... کتنے مزے کی بات ہے نا۔ مس سارہ! ساری دنیا پاکستانیوں کے حوصلے اور صلاحیتوں کا اعتراف کرتی ہے مگر ہمارے اپنے ملک میں ہماری یہ صلاحیتیں۔ یہ حوصلے کسی کام کے نہیں۔" ٹھہرے لہجے میں کہتا وہ ایک لمحے کے لیے رکا تھا۔ "ساری دنیا میں اپنی صلاحیتوں کا لوہا منوانے والا پاکستانی صرف اس ملک میں پروان چڑھنے کے جرم کی پاداش میں ہر طرح سے بے قصور، مظلوم ہو کر بھی خود پر گولیاں برسانے والوں کے لیے قابل نفرت ہے۔ جانتی ہیں کیوں؟ کیوں کہ ہماری جانوں کا سودا وہ لوگ پہلے ہی کر چکے ہیں۔ جنہیں ہم جان پر کھیل کر اپنے خلیفہ کی حیثیت سے سامنے لاتے ہیں۔ اس میں پلنے والی کسی جان کی کوئی قیمت نہیں مس سارہ کیونکہ اب ہمارا دکھ ہمارا نصب العین ایک نہیں رہا۔ ہمارے بڑے شطرنج کے بساط بچھاتے ہیں اور ہم... ہم پیادے بن کر ان کی غلط چالوں کی بھینٹ چڑھتے ہیں بس...!" اس کا دل بھی سارہ کی طرح زخمی تھا۔

"سزا تو بھگتنی ہوگی ہمیں اپنی غلطی کی۔ جب تک خوابِ غفلت سے نہیں جاگیں گے کچھ بھی ٹھیک نہیں ہوگا۔ بار بار یہی لوگ اقتدار میں آئیں گے۔ یونہی ہم اپنی ہی سرزمین میں اپنوں کے ہاتھوں گاجر مولی کی طرح کٹ کٹ کر مریں گے۔ یونہی ہماری جانوں کے پیسے دینے والے ہماری اذیت اور بے بسی کا تماشا دیکھیں گے۔ سارا نظام یونہی چلتا رہے گا۔ یونہی بلکتی رہیں گی مائیں اپنے قیمتی اثاثے لٹ جانے پر۔ آپ دیکھ لیجیے گا۔ ہم خواب غفلت سے نہ جاگے اور ہم نے اپنا قبلہ درست نہ کیا تو تاریخ یونہی خون سے ہماری داستان رقم کرتی رہے گی۔"

"اللہ کرے ایسا نہ ہو۔" صدف کا دل دہل اٹھا تھا۔

"اب جلنے کڑھنے کا وقت نہیں ہے مس سارہ! جلسے جلوسوں اور دوسروں کی طرف مدد کے لیے دیکھنے کا وقت بھی نہیں ہے۔ یہ انقلاب کا وقت ہے۔ خود اپنے ہاتھوں اپنے گھر میں لگائی آگ بجھانے کا وقت ہے۔ ہماری کوئی دشمنی نہیں طالبان سے، ہماری دشمنی صرف اور صرف اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں سے ہے۔ وہ دشمن جو ہمارے بڑوں کی سربراہی میں تخریب کاری کے لیے اسی دھرتی کی آغوش میں چھپے بیٹھے ہیں۔ ہمیں نائن الیون کے ذمہ داروں سے نہیں لڑنا۔ ہمیں ان سے لڑنا ہے جو ہر روز ہماری سرزمین

میں نائن الیون بپا کیے ہوئے ہیں۔ ہمیں حساب لینا ہے ان جانوں کا جو بے قصور دوسروں کے مفاد کے لیے موت کے سپرد کی گئیں۔ ہمیں ماؤں کے ان آنسوئوں کا حساب لینا ہے مس سارہ! جن سے وحشت کا لہو ٹپکتا ہے۔اپنی جان اور عزت کی حفاظت کے لیے اب ہمیں ان لوگوں کی طرف نہیں دیکھنا جنھوں نے پیسے لے کر ہمارے دشمنوں سے سودا کرلیا ہے۔اپنی حفاظت اب ہمیں خود کرنی ہے۔ میرے قائد کو طلبہ پر ناز تھا۔ ہمیں ان کے ناز کا بھرم رکھنا ہے۔ ہمیں لوگوں کو جگانا ہے۔انہیں بقاء کے راستے کی طرف لے کر آنا ہے۔ ووٹ کے صحیح استعمال کی طاقت کا احساس دلانا ہے۔ناسور کی طرح ہمارے ارد گرد پنپتی برائیوں کا قلع قمع کرنا ہے بتایئے اس مشن میں میرا ساتھ دیں گی؟“ آنکھوں میں کیسا عزم کتنی آس لیے وہ اس سے پوچھ رہا تھا۔ سارہ کا سر خود بخود اثبات میں ہل گیا۔

ہاں یہ بازی عشق کی بازی ہے

جو چاہو لگادو ڈر کیسا

گر جیت گے تو کیا کہنے

ہارے بھی تو بازی مات نہیں

بہت مدہم لہجے میں اس نے شعر پڑھا تھا۔

اس کی آنکھوں میں بھی آنسو جھلملا رہے تھے۔ سہیل شاہ مسکرا کر ممنون نگاہوں سے اس کی طرف دیکھتا ہوا پلٹ گیا۔

”وطن کی مٹی گواہ رہنا

گواہ رہنا

وطن کی مٹی عظیم ہے تو

عظیم تر ہم بنا رہے ہیں

گواہ رہنا۔“

...☆☆☆...

جبار جعفری نے اپنے گھر والوں کو سعودی عرب بلا لیا تھا۔ وہ شخص جو اس سے دن میں کئی بار بات کر کے بھی بے قرار رہتا تھا اب پچھلے پندرہ روز سے اس کی کوئی کال نہیں آئی تھی۔

سارہ کا ضبط جیسے ٹوٹتا جارہا تھا۔اس روز صرف اس کی محبت میں صدف نے سارہ سے چھپ کر خود جبار جعفری کو کال کی تھی جب وہ پھٹ پڑا۔

"اس نے میری بے عزتی کی ہے صدف! بڑے بڑے رشتوں کا جتا کر میری محبت کے منہ پر تمانچہ مارا ہے اس نے' وہ چاہتی ہی نہیں تھی کہ مجھ سے شادی ہو اس کی اماں کا غصہ تو ابھی تک کم نہیں ہوا۔کیا کروں میں؟"

"عقل کرو اور کیا کرنا ہے۔اپنی بہن کو بھی اچھی طرح سے جانتے ہو تم اور سارہ کو بھی۔وہ صاف گو ضرور ہے مگر دل کی کتنی اچھی ہے یہ تمہیں بتانے کی ضرورت نہیں۔دل کے رشتے اتنے کچے نہیں ہونے چاہئیں۔جبار جعفری کہ کسی کی باتوں میں آکر ٹوٹ جائیں۔ صحیح ہے کہ بڑے بڑے گھرانے رشتہ لے کر آئے تھے اس کے گھر مگر وہ پیسوں میں نہیں رشتوں میں جیتی ہے۔جو خوشی اسے تم دے سکتے ہو' دوسرا کوئی نہیں دے سکتا۔"

صدف کی بات میں وزن تھا۔وہ شرمندہ ہو گیا۔اس روز رات اس نے سارہ کو کال کی تھی۔ مگر اس کا موبائل فون بند تھا۔وہ دل مسوس کر رہ گیا۔اگلے ایک ہفتے میں اس کی ماں شادی کی تاریخ لینے پاکستان چلی آئی۔سارہ اس روز خوش تھی... بے حد خوش... مگر...!

خوشی راس ہی کہاں آتی تھی اسے...!

جبار جعفری کی والدہ نے شادی کی تاریخ کے تقاضے کے ساتھ ساتھ ایک لمبی فہرست بھی اس کی مما کے ہاتھوں میں تھمائی تھی۔اس کا بھائی بھی اس وقت وہیں موجود تھا۔اس نے فہرست پڑھی اور گہری سانس بھر کر کہا تھا۔

"ٹھیک ہے آنٹی! میں یہ سب دوں گا۔اپنی بہن کی خوشی سے بڑھ کر کچھ بھی نہیں ہے میرے لیے۔" وہ چونکی تھی اور اس نے آگے بڑھ کر اپنے بھائی کے ہاتھ سے وہ فہرست لے لی تھی۔وہ سب چیزیں جو صدف کے جہیز میں شامل تھیں وہاں درج تھیں اسے زبردست شاک لگا۔

"آنٹی! آپ شادی طے کرنے آئی ہیں یا سودا' مجھے بیاہ کر لے جانا چاہتی ہیں یا خرید کر؟"

"سارہ تم جاؤ یہاں سے۔" اس کا بھائی جانتا تھا وہ جذباتی ہو گی تبھی ڈپٹا مگر وہ ٹس سے مس نہیں ہوئی۔

"مجھے فروخت ہو کر کہیں نہیں جانا انہیں بہو سے زیادہ سامان کی ضرورت ہے۔مجھے اپنے جہیز میں ایک بھی فضول چیز نہیں چاہیے۔"

"مگر ہمیں چاہیے' ایک سے بڑھ کر ایک امیر لڑکی کا رشتہ ہے میرے بیٹے کے لیے' تمہیں اپنی قابلیت اور حسن پر اتنا گھمنڈ ہے تو رہو سکون سے مجھے ویسے بھی بدزبان بہو کی ضرورت نہیں ہے۔"

"آج نہیں ہے' جب چار پیسے آ گئے ہیں۔ آپ کا بیٹا کمانے لگا ہے اس وقت ضرورت تھی جب وہ آوارہ پھرتا تھا اور آپ کا کوئی رشتہ دار آپ کے گھر میں جھانک کر نہیں دیکھتا تھا کہ آپ کے گھر کھانا پکا بھی یا نہیں۔ تب تو اسی بدزبان لڑکی کا منہ چومتے نہیں تھکتی تھیں آپ!"

"بکواس بند کرو۔" آنٹی سے اتنا صاف سچ برداشت نہیں ہو رہا تھا۔ سارہ کا بھائی اس کا بازو پکڑ کر اسے اس کے کمرے میں لے آیا۔

"بہت فضول احمق لڑکی ہو تم کیوں بات کو بڑھاوا دے رہی ہو؟ چند چیزیں ہی مانگی ہیں نا انہوں نے...! میں دے دوں گا۔ تمہیں کس بات کی پریشانی ہے۔"

"مجھے نہیں رہنا لالچی اور منافق لوگوں کے ساتھ' میں نہیں چاہتی کہ میری خوشی' دوسری بہت سی لڑکیوں کے خوابوں کی راہ مسدود کر دے۔ مجھے ساز و سامان سے خوش نہیں رہنا

بھائی! مجھے اپنی ذات کی اہمیت کے ساتھ رہنا ہے۔ اس شخص کے ساتھ جو ہر حال میں میرا ساتھ نبھانے والا ہو۔"

"بھول جاؤ اب ایسے لوگوں کو' ہر جگہ ایسے ہی حالات اور لوگ ملیں گے تمہیں۔"

"اگر ایسا ہے تو میں تنہا ہی ٹھیک ہوں' نہیں کرنی مجھے کسی سے شادی وادی پلیز!" وہ روئی تھی اور اس کا بھائی مزید سر کھپانے کے بجائے بات سنبھالنے باہر چلا گیا تھا۔ مگر بات نہیں سنبھلی اپنی غربت کا طعنہ جبار جعفری کی ماں کے گھمنڈ کو مزید دہکا گیا تھا۔ اس نے فون پر جبار جعفری کو وہ سنائی کہ وہ دم بخود رہ گیا۔ سارہ ایسا بھی کر سکتی ہے۔ اس کے وہم و گمان میں نہیں تھا مگر اس کے وہم گمان میں تو یہ

بھی نہیں تھا کہ اس کی خوشی کے لیے راضی ہو کر جانے والی ماں نے آگے جا کر کیا کھیل کھیلا تھا۔ کن کن چیزوں کا مطالبہ کیا تھا۔ وہ دکھی ہوا تھا۔ اتنا شدید کہ اس کا دل چاہا ساری دنیا کو آگ لگا دے۔ صدف سے مکمل بات نہ ہو سکی اور سارہ نے تو جیسے قسم کھالی تھی فون بند رکھنے کی۔ وہ دل برداشتہ ہو کر ساری دنیا سے ہی کنارہ کش ہو گیا۔ اس واقعے کے ٹھیک ایک ماہ بعد سارہ کو اس کی شادی کا کارڈ ملا تھا اور اس رات وہ اتنا روئی تھی کہ اس کی جان ہی

خطرے میں پڑ گئی۔ کیا کیا نہیں ٹوٹا تھا اس رات۔ دل٬ مان٬ بھروسا٬ امید۔ دوسروں کے لیے جینے والی اس حساس جذباتی لڑکی سے قدرت نے اس کی واحد خوشی بھی واپس لے لی تھی۔ صدف چپ چاپ اس کی بربادی کا تماشا دیکھتی رہی۔

...☆☆☆...

سہیل شاہ اس روز اس کے گھر اس کی عیادت کو آیا تھا۔ وہ پورے ایک ماہ سے چھٹی پر تھی اور بخار تھا کہ ٹوٹنے کا نام نہیں لے رہا تھا۔ فقط ایک ماہ میں کیا سے کیا ہو کر رہ گئی تھی۔ کیا کوئی اس قدر بھی رشتوں میں جی مر سکتا تھا؟ اسے حیرانی ہوئی تھی۔

”اب کیسی طبیعت ہے آپ کی؟“

”ٹھیک ہوں مجھے کیا ہونا ہے؟“ سارہ اسے دیکھ کر جلدی سے اٹھ بیٹھی تھی۔

”ٹھیک لگ نہیں رہیں۔ ساری یونیورسٹی ویران پڑی ہے۔ آپ کے بغیر٬ آپ کو پتا ہے اس ایک ماہ میں قدم قدم پر میں نے آپ کو کتنا یاد کیا؟“

”کیوں؟“ وہ حیران ہوئی تھی جب وہ مسکراتے ہوئے بولا۔

”کوئی سمجھانے والا نہیں تھا نا میں اپنا گروپ بنا رہا تھا۔ ”یوتھ اویئرنس گروپ“ جس کی سربراہ کے طور پر آپ کا نام متعارف کروایا ہے میں نے۔ یہ لوگ پسماندہ علاقوں میں جائیں گے اور وہاں کے لوگوں کو ان کے حقوق سے باخبر کر کے آئندہ قیادت کے لیے ووٹ کے صحیح استعمال کا درس دیں گے۔“

”آپ کو لگتا ہے لوگ اس کا اثر لیں گے انہیں شعور آئے گا؟“ وہ بے یقین تھی۔

”ہاں ایک کوشش تو کی جاسکتی ہے نا۔ اللہ سبحان و تعالیٰ اور اس کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ہمارے لیے یہی درس ہے کہ ہم اپنے ہاتھ اور زبان سے برائی کو روکیں۔ اگر نہیں روکیں گے اور خاموشی سے تماشا دیکھتے رہیں گے تو ایمان خطرے میں پڑ جائے گا۔ ویسے بھی خدا ان ہی لوگوں کی مدد کرتا ہے جو اپنی مدد آپ کرنے کی ہمت رکھتے ہیں۔“

”ہوں۔“

”ایک بات اور جو اپنی زندگی دوسروں کے لیے وقف کر دیتے ہیں وہ اپنے ذاتی غموں پر ٹوٹ کر نہیں بکھرتے۔“ جانے وہ اس پر چوٹ کر رہا تھا یا تسلی دے رہا تھا۔ سارہ کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر آئیں۔ ”اب چلتا ہوں کل یونیورسٹی آئیں گی نا آپ۔“

"ہوں۔" اس کی مما چائے لے آئیں۔ وہ ان کے اصرار پر دوبارہ بیٹھ گیا۔

☆☆☆...

"تم نے غلط کیا سارہ! چیزیں رشتوں سے زیادہ قیمتی نہیں ہوتیں۔" اگلے روز خرابیٔ طبیعت کے باوجود یونیورسٹی جاتے ہوئے صدف راستے میں اس سے کہہ رہی تھی۔

"ہوں مجھ سے زیادہ یہ بات کون سمجھتا ہوگا مگر میں زندگی کو اپنے ڈھب سے جینا چاہتی ہوں۔ میں نے اس شخص سے محبت کی تھی صدف جو میرا سایہ تھا۔ اس شخص سے نہیں جو دولت پانے کے بعد سارہ سے زیادہ چیزوں کا طالب ہو گیا۔"

"ہو سکتا ہے یہ اس کا مطالبہ نہ ہو' اس کی ماں کا ہو۔"

"کوئی فرق نہیں پڑتا بس کبھی کبھی دل میں ٹیس سی اٹھتی ہے کاش وہ غریب ہی رہتا۔ اتنا غریب کہ میرے سوا کوئی لڑکی اس کی طرف دیکھنا بھی گوارا نہ کرتی۔"

"چھوڑ ان باتوں کو شاید وہ تیرے لائق ہی نہیں تھا۔ آنٹی بتا رہی تھیں کل ایک اور رشتہ آیا ہے۔"

"مجھے نہیں پتا نہ اب کبھی شادی کرنی ہے مجھے' پلیز آج کے بعد اس موضوع پر کبھی بات نہ کرنا صدف! میں اپنی ذات کے ساتھ اس تنہائی میں بہت خوش ہوں۔"

"جی ہاں' نظر آ رہی ہو۔" صدف نے صاف مذاق اڑایا تھا اس کا۔ وہ رخ پھیر گئی۔

یونیورسٹی میں سہیل شاہ اس کا شدت سے منتظر تھا۔

"اوہ... شکر ہے آپ آ گئیں۔ مجھے لگا شاید آپ نہیں آئیں گی۔"

"کیوں؟"

"طبیعت جو خراب تھی۔ خیر آپ کو پتا ہے آج ہمارا کیا پروگرام ہے؟"

"نہیں۔"

"ٹھیک ہے بیٹھیں میں بتاتا ہوں۔ آج ہمیں طلبہ وطالبات کو اکٹھا کرنا ہے اور ان سے پاکستان میں ڈرون حملوں پر بات کرنی ہے۔ پھر جلوس کی صورت میں نکلیں گے اور یہ مطالبہ کریں گے کہ یا تو ہماری سرحدوں کے اندر غیروں کی دخل اندازی بند کی جائے۔ نہیں تو اعلیٰ قیادت صاف ہاتھ کھڑے کر دے کہ وہ ہمارا کوئی مسئلہ حل نہیں کر سکتی۔ نہ اس میں

اتنی طاقت ہے کہ وہ اپنے آقا کی مدد کے بغیر اپنے اندرونی مسائل خود حل کر سکے۔ آپ کیا کہتی ہیں؟“

”احسن اقدام ہے طلبہ کو اپنے وطن کی بقا کے لیے سڑکوں پر آنا چاہیے۔ اب بھی نہیں آئیں گے تو کب آئیں گے؟ ویسے بھی پختون پاکستان کا سرمایہ ہیں۔ یہ جفاکش' غیور' بہادر جوان ہمارے دشمن کی آنکھ میں کنکر کی طرح چبھتے ہیں ان کا واحد مقصد صرف انہیں ختم کر کے پاکستان کے دفاع کر کمزور کرنا ہے۔ ہم کتنے بے غیرت ہیں سہیل کہ چپ چاپ اپنے جسم کے اس حصے کو کٹتا دیکھ رہے ہیں اور کوئی آواز بلند نہیں کر رہے' خدانخواستہ ان کے بعد ہماری باری آئے گی تو کیا ہو گا؟ جن کے پاس سرمایہ ہے وہ تو شیشے کے محلوں میں بھاگ جائیں گے ہمارا کیا بنے گا؟“

”اسی خطرے کا احساس تو لوگوں کو دلانا ہے۔ کب تک لاشیں اٹھاتے رہیں گے؟ کب تک اپنی ہی سرزمین پر غیروں کے ہاتھوں اپنے بھائیوں کی ہلاکت پر خاموش تماشائی بنے رہیں گے؟ ہمیں آواز اٹھانی ہو گی۔ یہاں یونیورسٹی میں' سڑکوں پر' نیٹ پر' جہاں جہاں موقع ملے گا ہمیں اپنا پیغام پہچانا ہو گا۔ پھر سے ایک ہونا ہو گا۔“

”جی ہاں' میں لڑکیوں سے بات کرتی ہوں آپ پرنسپل اور لڑکوں سے بات کریں پھر اکٹھے نکلتے ہیں۔“

”ٹھیک ہے۔“ اس کی بات پر فوراً پلٹ گیا تھا۔ اگلے روز کے اخباروں میں ان کی خبریں آ گئیں۔

”اب کیا کرنا ہے سارہ! آپ نے دیکھا کیسے ہماری سرحدیں غیر محفوظ ہو گئی ہیں۔ کتنے امریکی اور بھارتی جاسوس' گھس آئے ہیں ملک میں اور کوئی جگہ محفوظ نہیں چھوڑ رہے۔ مسجد' بازار' درس گاہیں' افواج کوئی جگہ ان کی شر انگیزی سے محفوظ نہیں اور ہم اب بھی یوں مطمئن ہیں کہ شاید کوئی معجزہ ہو گا اور سب ٹھیک ہو جائے گا۔ مجھے سب ٹھیک ہوتا دکھائی نہیں دے رہا سارہ! روز بہ روز ہمارا دشمن ہمیں کمزور کر رہا ہے اور ہم ہیں کہ اسی کے آگے جھکتے چلے جا رہے ہیں۔ اللہ اور اس کے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے واضح فرمان کے باجود کہ یہود و نصاریٰ کو اپنا دوست سمجھنے کی بدترین حماقت کر رہے ہیں۔ آپ دیکھیں سارہ نقصان تو ہمارا ہو رہا ہے نا! قصوروار یا ذمہ دار کوئی بھی ہو۔ تکلیف تو ہم اٹھا رہے ہیں۔

جن کی یہ جنگ ہے وہ تو محفوظ بیٹھے ہیں۔ بھوک اور گولیاں تو ہمارا نصیب بن کر رہ گئی ہیں۔ میں یہ سب نہیں دیکھ سکتا۔"

ان کے جلوس پر حملہ ہوا تھا جس میں کچھ طلبہ شدید زخمی ہو گئے تھے۔ سہیل بھی انہی لوگوں میں شامل تھا۔ اس کی ایک ٹانگ کٹ گئی تھی مگر پھر بھی وطن کے لیے اس کی محبت اور فکر میں کوئی کمی نہیں آئی تھی۔ سارہ اس وقت اسپتال میں اس کے مقابل بیٹھی تھی اور رو رہی تھی۔

"مجھے معاف کر دو سہیل، میری وجہ سے...!"

"نہیں آپ کی وجہ سے نہیں، یہ درد ان لوگوں کی وجہ سے ملا ہے یار جو مسلمان ہو کر بھی شاید کبھی جہنم سے رہائی نہ پا سکیں۔ ایک ٹانگ ہی کٹی ہے نا! کوئی بات نہیں۔ ابھی سر سلامت ہے۔" سارہ کی بات کاٹتے ہوئے فوری وہ بولا تھا۔ جب اس نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

"یہ سر یوں مفت میں کٹنے کے لیے نہیں ہیں سہیل! سرحدوں پر چھڑی جنگ میں کسی مقصد کے لیے کٹیں تو فخر ہوتا ہے۔ یہ جنگ تو ہماری تھی ہی نہیں، یہ تو ہوس کی جنگ ہے، طاقت اور بزدلی کی جنگ ہے کتنے لعل نذر کریں گی مائیں اس پرائی جنگ میں...؟ بتائو...!"

"اپنی یا پرائی۔ اب لڑنی تو پڑے گی۔"

"اور اس ماں کا ان بہنوں کا کیا کرو گے جن کا تم واحد سہارا ہو؟"

"اللہ ہے نا! وہ سب دیکھ رہا ہے۔ کبھی تو حالات بدلیں گے، کبھی تو ہماری جگہ ظالم اس کی گرفت میں جکڑے جائیں گے۔ جس خون کو بہنا ہے اسے بہنے دو سارہ!"

"نہیں، میرے وطن کا سرمایہ ہو تم میں یہ سرمایہ یوں بے دردی سے لٹنے نہیں دے سکتی۔ ایک غلط ووٹ ہی تو کاسٹ ہوا ہے ناں ہم سے، اس کی اتنی بڑی سزا نہیں سہیل اتنی بڑی سزا نہیں۔" اچانک وہ بلک بلک کر رو پڑی تھی۔ سہیل کے لیے اسے چپ کروانا مشکل ہو گیا۔

آنے والے دنوں میں ان کی سرگرمیاں مزید تیز ہو گئی تھیں مگر سارہ کے حوصلے جیسے ٹوٹ سے گئے۔ بیساکھیوں کے سہارے چلتے وجیہہ و دراز قد سہیل شاہ کو دیکھنا کسی قیامت سے کم

نہیں تھا اس کے لیے۔ گھر میں آج کل الگ کھچڑی پک رہی تھی۔ کسی سینئر وکیل کا رشتہ آیا تھا اور گھر والوں نے اس سے پوچھے بغیر ہاں کر دی تھی۔ بات صدف کے توسط سے سہیل شاہ تک پہنچی تو اس کے چہرے پر ایک

لمحے کے لیے جیسے رنگ سا آکر گزر گیا۔ کتنا عادی کر لیا تھا اس نے خود کو سارہ کے ساتھ کا۔ کیا اب اس کے بغیر گزارا کرنا آسان رہے گا اس کے لیے نہیں مگر بے بسی اب بھی اپنی جگہ قائم تھی۔

پہلے وہ صرف غریب تھا اب معذور بھی ہو گیا تھا۔ ایسے میں سارہ جیسی لڑکی کو پانا کہاں ممکن رہا تھا اس کے لیے' وہ لڑکی جو کلاس میں پہلے روز ہی اس کے دل کو چھو گئی تھی۔ اب اس کی خواہش سے دستبردار ہونا بھی تو کم اذیت کا باعث نہیں رہا تھا۔ وطن کی محبت نے روزگار حاصل کرنے کی امید کے ساتھ ساتھ' اس کے خواب بھی چھین لیے تھے۔ ادھر سارہ کی شادی کی تیاریاں شروع ہو گئیں۔ اس روز صدف، سہیل اور ماریہ اس کے گھر پر ہی تھے۔ جب سارہ نے اس سے پوچھا۔

''تمہارے آگے مستقبل میں کیا ارادے ہیں سہیل؟ شادی کرو گے یا کاروبار...؟''

WWW.PAKSOCIETY.COM

''دونوں ہی نہیں۔''

''کیوں؟'' وہ حیران ہوئی تھی۔ جب کہ ماریہ صدف کی طرف دیکھ کر مسکرا دی۔

''ہاں نا یار! لڑکی مجھے کسی نے دینی نہیں اور کاروبار میں اب یہ دل لگنا نہیں۔''

''کیوں نہیں لگے گا دل اور کیوں نہیں دے گا کوئی لڑکی۔ تم اتنے اچھے اور وجیہہ ہو کہ کوئی بھی لڑکی جان دے سکتی ہے تم پر۔''

''اف۔'' وہ اس کے الفاظ پر دل کھول کر ہنسا تھا۔

''کچھ رحم کھا لو لڑکیوں کی خودداری پر۔ مانا کہ عقل سے پیدل ہوتی ہیں مگر اتنی بھی نہیں کہ مجھ جیسے معذور بے کار شخص کو بوجھ کی طرح اپنی زندگی پر لاد لیں۔''

''تم بوجھ نہیں ہو۔'' اچانک وہ غرائی تھی۔

''اچھا پھر تم کر لو شادی۔'' وہ اب بھی مسکرا رہا تھا۔ سارہ ٹھٹک گئی۔ اس کے ذہن میں یہ خیال کیوں نہیں آیا تھا؟

وہ خوش رہ سکتی تھی۔اسے اچھے سے اچھا ہم سفر مل سکتا تھا۔ مگر سہیل خوش نہیں رہ سکتا تھا۔اسے اچھی سے اچھی لڑکی نہیں مل سکتی تھی۔اس نے ملک کے لیے خود کو معذور کر لیا تھا مگر وہ تو کچھ بھی قربان نہیں کر پائی تھی۔

’’کیا ہوا؟ اڑ گئے نا ہوش؟‘‘ وہ اب ہنس رہا تھا۔سارہ سنجیدگی سے اسے دیکھنے لگی۔

’’نہیں، تم رشتہ بھیجو میں شادی کے لیے تیار ہوں۔‘‘

’’سارہ! پاگل تو نہیں ہو گئی ہو؟‘‘ صدف نے فوراً ڈپٹا تھا مگر وہ اپنی بات پر اڑی رہی۔

’’جب شادی ہی کرنی ہے تو تم برے نہیں ہو سہیل! کم از کم ہماری سوچ‘ ہمارے جذبے اور اس ملک کے لیے ہمارے خواب تو ایک ہیں۔پلیز تاخیر مت کرنا۔مجھے صرف تم سے شادی کرنی ہے اور بس۔‘‘ وہ ضدی اور سر پھری تھی۔ سہیل حیرت سے گنگ اسے دیکھتا رہ گیا۔آگے آنے والے پندرہ دنوں میں وہ معجزہ ہو گیا تھا جس کی اسے ایک فیصد بھی امید نہیں تھی۔سارہ نے اس کے ساتھ چلنے کی ہامی بھری تھی اور وہ اپنے اس وعدے میں کامیاب رہی تھی۔سہیل کے پاؤں تو مارے خوشی کے زمین پر نہ لگتے تھے اس کی ماں اور تینوں بہنوں کی خوشی بھی چھپائے نہ چھپتی تھی۔تاہم سارہ کی مما اور بھائی ویسے خوش نہیں تھے جیسے انہیں

ہونا چاہیے تھا مگر وہ جانتی تھی آنے والے دنوں میں اس کی خوشی انہیں خوش کر دے گی۔

شادی سے صرف دو روز قبل سہیل نے مصنوعی ٹانگ لگوائی تھی۔شادی کے روز تمام وقت وہ صدف اور ماریہ کی چھیڑ چھاڑ کا شکار رہا تھا جب کہ اس کے دیگر دوست بھی اسے گھیرے رہے تھے۔نکاح کے بعد سارہ کو اس کے پہلو میں لا کر بٹھایا گیا تو اسے لگا اس کا دل خوشی سے رک جائے گا۔کتنی پیاری لگ رہی تھی وہ دلہن کے روپ میں۔وہ چوری چوری نظر بچا کر جب بھی موقع ملتا اسے دیکھتا رہا۔رات میں وہ کمرے میں آیا تو سارہ دونوں بازو گھٹنوں کے گرد لپیٹے شاید سو گئی تھی۔وہ مسکرا کر آگے بڑھ آیا۔دل ابھی بھی قابو میں نہیں آ رہا تھا۔یقیناً اسے زندگی گزارنے کے لیے کوئی نہ کوئی لڑکی مل جاتی۔مگر اسے صرف لڑکی نہیں چاہیے تھی۔اسے وہ سب بھی چاہیے تھا جو سارہ میں تھا۔

وہ اپنے ربّ کا از حد ممنون تھا۔آہستہ آہستہ چلتا ہوا بیڈ پر آ بیٹھا تھا۔

’’سارہ۔‘‘ بہت مدہم سرگوشی میں اس نے اسے پکارا تھا۔جواب میں وہ فوراً بے دار ہو گئی تھی۔

’’اتنی جلدی سو گئیں۔میرا انتظار بھی نہیں کیا؟‘‘ وہ سٹپٹا کر رہ گئی۔

”انتظار ہی تو کر رہی تھی پتا نہیں کیسے آنکھ لگ گئی۔“

”جھوٹی۔“ وہ ہنسا تھا۔ سارہ گھبراہٹ کے باوجود اسے گھور کر رہ گئی۔

”جھوٹ نہیں بولتی میں۔ اچھا۔“

وہ اس کی خفگی پر نثار ہوا تھا۔

”کتنا روپ آیا ہے تم پر... آسمان سے اتری حور لگ رہی ہو۔“

”بس نہ سلام نہ دعا۔ آتے ہی مکھن بازی شروع۔“ اپنا ماضی اپنے دل میں دفن کیے اب وہ صرف اسے دیکھ رہی تھی۔ سہیل ہنس دیا۔

”السّلام علیکم! دنیا کی سب سے اچھی، جذباتی لڑکی! اب ٹھیک ہے؟“

”ہوں، وعلیکم السّلام۔“

”یہ دنیا کی سب سے اچھی، جذباتی لڑکی اب تمہیں اپنی مٹھی میں قید رکھے گی۔“ وہ مسکرا دی۔

”صرف مٹھی میں؟“

”نہیں دل میں بھی۔“ اس کے کہنے کی دیر تھی کہ وہ ہنس پڑا۔

”شکریہ، سارہ! اب مجھے اپنے کسی نقصان کی کوئی پروا نہیں۔ الحمدللہ تینوں بہنوں کے فرض سے سبک دوش ہو چکا ہوں۔ اب بس امی اور تمہارے حقوق کا خیال رکھنا ہے۔ یا پھر وطن کی مٹی کا۔ جس میں ہماری پہچان، ہماری جڑیں ہیں۔ یہ سفر جو آج ہم نے شروع کیا ہے اسے رکنا نہیں ہے سارہ! آگے ہی آگے بڑھتے چلے جانا ہے، اس وقت تک جب تک ہم حقیقی آزادی کا منہ نہیں دیکھ لیتے۔ اپنے وطن کو بیماریوں کی صورت چمٹے مسائل سے چھڑا نہیں لیتے۔ اپنے صحیح رہنما کو سامنے نہیں لے آتے۔ اپنی قوم اپنے لوگوں کو خواب غفلت سے جگا کر صحیح سمت پر گامزن نہیں کر دیتے۔ ہمیں یہ سفر جاری رکھنا ہے سارہ! اس وقت تک جب تک ہم پھر سے ایک نہیں ہو جاتے ہمارا دکھ ہمارا نقصان ایک نہیں ہو جاتا۔ ہمارے پختون بھائی۔ جو ہماری طاقت ہیں۔ ہم ان کے ساتھ ساتھ کندھے سے کندھا ملا کر وطن کی بقاء کے لیے کھڑے نہیں ہو جاتے ہمیں چلتے رہنا ہے۔“

”ہاں سہیل! اس ارض پاک کے لیے کسی بھی سفر کسی بھی امتحان میں۔ تم سارہ کو ہمیشہ اپنے ساتھ پاؤ گے۔“

"بے حد شکریہ۔ میری دعا ہے اللہ ربّ العزت سے کہ وہ مجھے بارہ بیٹوں سے نوازے اور میں وہ بارہ کے بارہ اس کے دین کی سربلندی اور اس وطن کی عظمت پر قربان کر دوں۔"

آمین۔" بے ساختہ سارہ نے کہا پھر اس کی شرارت جان کر زور کا مکا اس کے شانے پر رسید کیا۔ سہیل کھلکھلا اٹھا۔

"اب تو آمین ہو گئی اب کچھ نہیں ہو سکتا۔"

"جان لے لوں گی میں تمہاری۔" چڑ کر وہ اس کے بال مٹھی میں جکڑ گئی تھی۔ جب سہیل نے پیار سے اس کے دونوں ہاتھ تھام لیے۔

"اوں، ہوں یہ جان تو اب صرف اس دھرتی کی امانت ہے۔ جس نے ہمیں ملایا ہے۔" وہ باز نہیں آرہا تھا۔ پھر یکدم سنجیدہ نظر آنے لگا۔

"آئو ایک شمع جلائیں سارہ! نئی زندگی کے سفر پر نئے خوابوں کے ساتھ امید کی شمع۔"

سارہ نے ماچس اٹھا کر سائیڈ ٹیبل پر رکھی شمع روشن کر دی۔

"شکریہ۔! اب زندگی کی آخری سانس تک ہم امید کی یہ روشن شمع یونہی جلائے رکھیں گے۔"

"بے شک، مجھے یقین ہے ایک روز اس روشنی سے یہ پورا ملک جگمگا اٹھے گا۔"

"آمین۔"

سہیل نے جذب سے کہا اور پلکیں موند لیں۔ جب کہ سارہ نے آہستہ سے اپنا سر اس کے شانے سے ٹکا دیا۔ اس کے من میں ایک بار پھر وہی بازگشت گونجی تھی۔

وطن کی مٹی گواہ رہنا

گواہ رہنا

وطن کی مٹی عظیم ہے تو

عظیم تر ہم بنا رہے ہیں

گواہ رہنا

عظیم تر بنا کر رہیں گے۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

ان شاءاللہ ساری سازشوں کا پردہ چاک کر کے رہیں گے۔“

ایک عزم سے اس نے سوچا اور خود بھی آہستہ سے پلکیں موندلیں...!

☆☆☆

ختم شد